اسقاط حمل ایک تحقیق

مرتب
محمد ثاقب قاسمی فتحپوری
خادم التدریس والافتاء معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی

ناشر: مکتبہ الحرمین دیوبند

© جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب: اسقاط حمل ایک تحقیق

مرتب: محمد ثاقب قاسمی فتحپوری

سن اشاعت: ۱۴۴۶/۲۰۲۵

قیمت:

ناشر: مکتبہ الحرمین دیوبند

پرنٹر:

فہرست

تقریظ: حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	۶
تقریظ: حضرت مولانا مفتی شکیل منصور القاسمی صاحب	۹
دعائیہ کلمات: حضرت الحاج قاری محمد صادق خان صاحب	۱۳
عرض مرتب	۱۴
(۱) حمل میں جان پڑ جائے	۱۹
(۲) ظہورِ بعض اعضاء سے پہلے کی حالت	۲۲
راجح قول:	۲۳
نسل کی حفاظت مقصد شریعت	۲۵
حفاظت نسل کے خصوصی احکام	۲۶
حضرت غامدیہؓ کے واقعے سے استدلال	۲۸
جنین اور رضیع کے تحفظ کا حکم بھی حفاظت حمل کے لئے ہے	۳۱
(۳) ظہور بعض اعضاء کی حالت	۳۵
ظہور بعض اعضاء والی صورت میں بحکم ولد ہونے کے دلائل	۳۸
پہلی دلیل:	۳۸
فائدہ:	۴۳
دوسری دلیل:	۴۵
ظہور بعض اعضاء کی قید کیوں؟	۴۷

کبار فقہاء کی تصریحات	۵۰
نقصانِ خلقت ولد ہونے کے منافی نہیں:	۵۴
اصل کتب مذہب کی تعبیر:	۵۵
کتاب الاصل کی روایت:	۵۶
جامع کبیر کی روایت:	۵۷
کتاب الآثار کی روایت:	۵۸
سقط کے ولد ہونے پر آثار صحابہ وتابعین:	۶۰
خلاصہ کلام:	۶۴
ایک سو بیس دن والے قول کی بنیاد:	۶۴
صاحب نہر کا صاحب بحر پر اعتراض	۷۰
دو طرح کی متعارض عبارات	۷۳
کیا استبانۃ الخلق کا مطلب نفخ روح ہے؟	۷۶
نفخِ روح مراد لینا درست نہیں	۷۷
علامہ رافعی رحمہ اللہ کی توجیہ	۸۱
یہ توجیہ درست نہیں	۸۱
دفع تعارض کے دو طریقے:	۸۵
(۱) ترجیح:	۸۵
ایک سو بیس دن والا قول مخدوش ہے	۸۸
(۲) تطبیق:	۹۱
اشتباہ کی ایک اور وجہ:	۹۷
ظہور بعض اعضا کب ہوتا ہے؟	۹۸

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث	۹۹
حضرت حذیفہ بن اسید کی حدیث	۹۹
حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی توجیہ:	۱۰۰
حدیث حذیفہ ابتدائی تخطیط پر محمول ہے	۱۰۳
حدیث ابن مسعودؓ سے ۱۲۰ دن پر استدلال درست نہیں	۱۰۸
پہلی دلیل:	۱۰۸
دوسری دلیل:	۱۰۹
تیسری دلیل:	۱۱۲
چوتھی دلیل:	۱۱۴
تین ماہ کے جنین کی تصاویر	۱۱۷
دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ	۱۱۹
امداد الفتاویٰ کا حوالہ:	۱۲۱
احسن الفتاویٰ کا حوالہ:	۱۲۳
حاشیہ از مرتب احسن الفتاویٰ	۱۲۵
خلاصہ:	۱۲۶
مراجع ومصادر	۱۲۷

باسمہ تعالیٰ

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ وہ انسان کو عدم کی تاریکی سے وجود کی روشنی میں لاتا ہے اسی کا نام تخلیق ہے، تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو آزمانا چاہتے ہیں کہ کون عمل صالح میں سبقت کرتا ہے اور کون سرکشی ونافرمانی کا راستہ اختیار کرتا ہے، اور تاریخ بھی شاہد ہے کہ انسان نے جب نیکی کا راستہ اختیار کیا تو کبھی فرشتوں کو اس پر رشک آیا اور کبھی اس نے سرکشی اور نافرمانی کی راہ چنی تو شیطان بھی اس سے شرمایا۔

شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ایک حفاظت نسل ہے کہ انسانی نسل بڑھتی رہے، چلتی رہے، اور کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے انسانی نسل کی بقا وتحفظ کو کوئی خطرہ لاحق ہو، یہی وجہ ہے کہ کنوارے رہنے، رہبانیت اختیار کرنے اور خصی ہونے کو اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔

نسل انسانی کو دور حاضر جو خطرات درپیش ہیں، اس میں سب سے زیادہ حصہ اسقاط حمل اور نس بندی کا ہے، پوری دنیا میں اسقاط حمل کو فروغ دیا جارہا ہے، وومن ایمپاورمنٹ کے نام پر عورتوں میں بچہ پیدا کرنے سے دوری کی مہم

چلائی جارہی ہے، اور اس پوری مہم کے پیچھے خدا سے بغاوت پر مبنی تمدن جس کو ایک دیدہ ور نے ''دجالی تہذیب'' کا نام دیا ہے، کا ہاتھ ہے، اس دجالی تہذیب نے پہلے تو لوگوں کو اکسایا کہ یہ چند روزہ زندگی عیش وعشرت کیلئے ہے زندگی کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے نہیں؛ چونکہ اولاد کی پرورش ایک بڑی ذمہ داری ہے؛ لہٰذا اس سے لوگ دور ہونے لگے، جب اولاد کی ذمہ داری نہ رہی تو پھر عیش وعشرت کا چوپٹ دروازہ کھول دیا گیا، اس دجالی تہذیب نے اپنے اس مشن کو اقتصادی معاشی رخ سے بھی تقویت دی کہ ہمارے وسائل محدود ہیں، ہم غیر محدود آبادی کے متحمل نہیں ہوسکتے، یہ فلسفہ خدا کی رزاقیت اور خلاقیت کی پورے طور پر نفی ہے، مقام شکر ہے کہ علماء اسلام نے دجالی تہذیب کے نمائندوں کی اس چال کو سمجھا ہے اور اسقاط حمل کے خلاف اسلامی تعلیمات کو واضح کیا ہے اور دجالی میڈیا کے بھرپور پروپیگنڈہ کے باوجود وہ اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

اسقاط حمل بسا اوقات عذر کی وجہ سے بھی ہوتا ہے، یعنی بچہ کی ماں کو اگر حمل سے خطرہ ہو تو کب تک اسقاط حمل کی اجازت ہوسکتی ہے؟ یا پھر بغیر کسی شدید خطرہ کے بھی انسان کب تک بعض ضرورت کی وجہ سے اسقاط حمل کرا سکتا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کی آراء میں اختلاف رہا ہے، مشہور قول یہی ہے کہ چار مہینے کے بعد روح پھونکی جاتی ہے، اس سے قبل اسقاط حمل کیا جاسکتا ہے؛ لیکن یہ رائے دلائل کی بنیاد پر محل نظر ہے، فاضل مولف مولانا ثاقب قاسمی صاحب نے اس سلسلے میں کتب فقہ کے مندرجات کا بڑا تفصیلی اور گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اور اپنے مطالعہ کے نتائج کو زیر نظر کتاب میں سلیقہ سے پیش کیا ہے، کتاب اس قابل ہے کہ اس سے طلبہ علوم دینیہ اور اہل علم ودانش استفادہ کریں۔

نیز ضرورت یہ ہے کہ اس موضوع پر مزید تفصیلی مطالعہ کیا جائے، جس

میں شرعی، انسانی، اخلاقی ضرورت ومجبوری کے ہر رخ اور پہلو کو سامنے رکھا جائے اور جدید تمدن نے زندگی کو جس قدر دشوار بنادیا ہے، بالخصوص خاندانوں کی شکست وریخت، علاحدہ زندگی گزارنے کا شوق، آپریشن سے پیدا ہونے والے بچے، ان تمام امور پر گہرائی سے نظر ڈالی جائے اور پھر اس سلسلے میں شرعی حکم بیان کیا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مفید اور نافع بنائے اور مولف کے حق میں اس کتاب کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔

۲۸ ربیع الاول ۱۴۴۶ھ/ مطابق ۲ اکتوبر، ۲۰۲۴ء

خالد سیف اللہ رحمانی

(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی شکیل منصور القاسمی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث سورینام جنوبی امریکہ

الحمد لله رب العالمين والصلاه والسلام على اشرف المرسلين وخاتم النبيين ورحمه الله للعالمين سيدنا محمد وعلى اله وصحبه اجمعين. اما بعد!

نسل انسانی کی افزائش، اس کا تحفظ، فروغ وبقاء شریعت اسلامی کے ان پانچ مقاصدِ ضروریہ، کلیات وتحفظات خمسہ میں سے ایک ہے جن کے تحفظ کے لئے احکام شریعت کا نزول ہوا ہے۔ ان میں سے ہر مقصد کا تحفظ کلی اور اساسی وبنیادی حیثیت رکھتا ہے، اس کے بغیر نظام زندگی تہہ وبالا ہوجاتا ہے، نسلِ انسانی کو وجود میں آنے سے روکنا، اسے محدود کرنا، یا وجود میں آنے کے بعد اسے ختم کرنا شریعت کی منشا ومقصد کے منافی ہے؛ اسی لئے اسلام نے زواج ونکاح کو نہ صرف یہ کہ مشروع کیا، اس کی ترغیب دی، بلکہ اسے بذاتِ خود اطاعت اور عبادت قرار دیا، لذائذِ حیات سے کنارہ کشی، تجرد کی زندگی اور ترک واعراضِ نکاح (تبتل) سے سختی سے منع کیا، قطعِ نسل یا اس میں رکاوٹ ڈالنے والے طریقوں (خصی ہوجانے وغیرہ) سے منع کیا، نکاح کرنے کو اللہ کی عظیم نشانیوں میں شمار کیا، نکاح کے بیشمار مقاصد میں سے اولاد کے حصول کو سب سے اولیں

مقصد گردانا گیا، ایسی عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی جو امت محمدیہ میں کثرت واضافے کا باعث بنے، زنا کو حرام کیا گیا، اس کی تحریم کا اصل مقصد وعلت بھی نسل انسانی کا تحفظ ہی ہے؛ کیونکہ زنا کی وجہ سے نسل انسانی کا تحفظ متاثر ہوتا ہے اور نسب گڈمڈ ہوجاتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں پیٹ کے بچے کی زندگی کی وہی اہمیت واحترام ہے جو کسی زندہ انسان کی ہوتی ہے، اس لیے اس کی زندگی کی حفاظت بھی اسی طرح فرض کی گئی ہے جس طرح زندہ انسان کی زندگی کی حفاظت ضروری ہے؛ اسی احترام وتحفظ کی پیش نظر حاملہ عورت کو رمضان کے مہینے میں روزہ توڑنے کی گنجائش دی گئی ہے اور تو اور؛ خود ماں کو بھی اس کا حق نہیں دیا گیا کہ وہ اپنے پیٹ میں نشو ونما پانے والے بچے کو کوئی نقصان پہنچائے، زنا کی وجہ سے ٹھہرنے والے حمل کو ساقط کرانے کا حق بھی عورت کو اسی لئے نہیں دیا گیا ہے، جنین کی اسی حیثیت کی وجہ سے اسلامی شریعت کا یہ قانون ہے کہ موت کی سزا پانے والی عورت اگر حاملہ ہے تو اسے اس وقت تک موت کی سزا نہیں دی جاسکتی جب تک وہ بچے کو جنم نہ دے لے اور اس کے دودھ چھڑانے کی عمر نہ ہوجائے۔

متعدد شرعی نصوص کے مطابق حملِ انسانی مختلف مراحل (نطفہ، گاڑھا اور جامد خون، گوشت کا لوتھڑا، پھر نفخ روح سے گزر کر) نفس انسانی بنتا ہے، تام الخلقت ہوجانے اور حمل میں جان پڑجانے کے مرحلے (عموماً چار ماہ) کے بعد باتفاق علماء واہل مذاہب اس نفس انسانی کا اسقاط بالکل ناجائز ہے؛ لیکن نفخ روح (چار ماہ) سے پیشتر اور ظہور بعض اعضاء (استبانۂ خلق) کے بعد (لیکن کامل تخلیق اعضاء سے پہلے) بھی فقہاء احناف کے راجح قول کے مطابق اسقاط حمل کی گنجائش نہیں ہے، یہ حمل تام الخلقت بچے اور نفس انسانی کے حکم میں ہوتا

ہے؛ گوکہ اس پر چار ماہ کی مدت پوری نہ ہوئی ہو، ہاں البتہ حمل جبکہ بالکل ابتدائی مرحلے میں ہو، اور اس کا حمل ہونا اور غدود و گٹھلی وغیرہ نہ ہونا متحقق ہوجائے تو محققین حنفیہ کا خیال ہے کہ بعض اعضاے انسانی کے ظہور سے پیشتر بھی بلا عذر شرعی اسقاط مکروہ ہے؛ کہ یہ افزائش وتحفظ نسلِ انسانی جیسے مقصد شرع کے منافی عمل ہے۔

حمل پہ چار ماہ یا ایک سو بیس دن سے پہلے اسقاط کی جو بات مطلقاً لکھی یا نقل کی جاتی ہے وہ قول محقق نہیں ہے۔

اسقاط کی گنجائش یا ممانعت کا مدار اعضاے انسانی کا ظہور (استبانہ خلق) ہے، چار ماہ کی مدت مدار حکم نہیں ہے۔

اس وقت میرے سامنے اِسی موضوع پر ''بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر'' کی مصداق ایک مختصر کتاب ''اسقاط حمل'' ہے۔

جس میں اس موضوع پر انتہائی جامع، بصیرت افروز، چشم کُشا اور سیر حاصل فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔

کتبِ مذہب اور متعدد نصوص سے مرتب نے ثابت کیا ہے کہ ظہور اعضائے انسانی کے بعد جنین بحکم ولد اور نفس انسانی ہوجاتا ہے گوکہ اس پر ابھی چار ماہ کی مدت پوری نہ ہوئی ہو، ایک سو بیس دن والے منقول فقہی قول کے معیار اسقاط ہونے کے اصل مأخذ کی نشاندہی کے ساتھ محققین احناف کے حوالے سے اس قول کو مخدوش ثابت کیا ہے، اور چار ماہ والی تحدید کا خوبصورت محمل پیش کرنے کے ساتھ بظاہر متعارض فقہی روایات کی قابل قبول تطبیق بھی پیش کی ہے۔

کتبِ مذہب، روایاتِ حدیث، آثار صحابہ وتابعین سے استشہاد واستدلال کے ساتھ انہوں نے طبی ماہرین واہل اختصاص کے اقوال اور بعض تحقیقاتی

اداروں کی طرف سے چار ماہ سے پیشتر ظہور اعضاء انسانی کی مہیا کردہ تصاویر سے بھی اپنے موقف پر کامیاب استدلال کیا ہے۔

میں نے یہ کتاب پوری پڑھی ہے، انداز واسلوب خالص علمی، فقہی وتحقیقی ہے، فقہ وفتاوی سے اشتغال رکھنے والے اہل علم کے لئے "بیش قیمت سوغات" ہے۔ کتاب اس لائق ہے کہ اسے چشم سر کے راستے لوح قلب میں ثبت کرلیا جائے، صاحب کتاب نوجوان عالم دین اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل ہیں، معراج العلوم چینا کیمپ ممبئی کے استاذ فقہ عزیز محترم مفتی محمد ثاقب قاسمی فتح پوری زید فضلہ اس کے مرتب ومؤلف ہیں، مؤلف حلقہ علماء میں خاص اعتبار وشناخت رکھتے ہیں، بڑی خموشی، شوق، لگن، عرق ریزی، جاں کاہی اور یکسوئی کے ساتھ سلگتے فقہی موضوعات پر وقتاً فوقتاً لکھتے رہتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں، ان کی مہربانی یا حسن ظن ہے کہ وہ اپنا ہر مسودہ عاجز کو نظر نواز کرتے ہیں، اس سے پہلے بھی جدید فقہی موضوعات پر ان کی کئی بیش قیمت کتابیں مسافرانِ علم وتحقیق اور اصحاب فقہ وفتاوی سے داد تحسین وصول کرچکی ہیں، زیر نظر کتاب بھی ان کی دیگر تالیفات کی طرح انتہائی چشم کشا اور بصیرت افروز ہے۔

امید قوی ہے کہ کتاب ہذا بھی علمی حلقوں میں شوق کے ہاتھوں لی جائے گی اور قدر کی نگاہوں سے پڑھی جائے گی۔

میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول عام عطا کرے، اور مرتب محترم کو پئے مقصد سرگرم عمل اور سدا تازہ دم رکھے۔ آمین!

شکیل منصور القاسمی

(منگل ۱۹ ربیع الاوّل ۱۴۴۶ھ/ ۲۴ ستمبر ۲۰۲۴ء)

دعائیہ کلمات

حضرت الحاج قاری محمد صادق خان صاحب دامت برکاتہم
بانی ومہتمم معراج العلوم چیتا کیمپ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دین اسلام کی یہ ایک بنیادی اور مرکزی خصوصیت ہے کہ وہ ایک کامل ومکمل دستور حیات ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اس کی گرفت سے باہر نہیں ہے، شریعت کے قوانین ایسے مستحکم وپائیدار ہیں جو دنیا کی تمام تر ترقیات کے باوجود ان پر پوری طرح فٹ آتے ہیں؛ اسی لیے دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی واحد مذہب ہے جو فطری طور پر ہر خطہ کے لیے قابل قبول اور لائق اتباع ہوسکتا ہے، حمل کتنی مدت میں ساقط کیا جاسکتا ہے؟ یہ مسئلہ بھی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے؛ لیکن فقہی عبارات میں اختلاف وتعارض کی وجہ سے اس مسئلے کی تنقیح وتحقیق ضروری تھی۔ بڑی خوشی ومسرت کی بات ہے کہ عزیزم محمد ثاقب سلمہ نے اس مسئلے کو پوری شرح وبسط کے ساتھ بڑی تحقیق سے منقح کیا ہے، اکابرین کی تقریظات وہ تائیدات سے مزین یہ قیمتی رسالہ امید ہے کہ توقع سے زیادہ مقبول ہوگا۔

باری تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے اور مؤلف کو مزید اپنی پسند کے مطابق دینی کاموں میں لگائے رکھے۔ آمین

قاری محمد صادق خان صاحب
بانی ومہتمم معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی

عرض مرتب

عذر شرعی کی صورت میں اسقاط حمل کی گنجائش کتنی مدت تک ہے اس حوالے سے بالعموم قدیم وجدید فتاوی میں یہی حکم مصرح ہے کہ چار ماہ سے قبل عذر کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے اور اگر حمل پر چار ماہ سے زیادہ وقفہ گزر گیا ہے تو پھر اسقاط کی گنجائش نہیں ہے اور عموما دارالافتاؤں سے یہی فتوی بھی تحریر کیا جاتا ہے؛ لیکن عرصہ سے احقر کو فقہی عبارات کی روشنی میں اس پر کچھ خلجان تھا۔

کیونکہ فقہاء کرام نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر حمل کے بعض اعضاء مثلا انگلی، بال، ناخن، وغیرہ بن گئے ہوں تو پھر اسقاط جائز نہیں ہے یعنی جہاں اعذار کی وجہ سے فقہاء کرام نے اسقاط کی گنجائش دی ہے۔ مثلاً مرضعہ کا دودھ خشک ہو جانا یا حاملہ کے لیے بچے پر ضرر کا اندیشہ محسوس کرنا وغیرہ وہیں، ان اعذار کے باوجود اس اجازت کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ حمل پر ظہور بعض اعضاء کا تحقق نہ ہوا ہو اگر اس طرح کے اعذار تو ہوں؛ لیکن ظہور بعض اعضاء ہو گیا ہو تو پھر اسقاط کی گنجائش نہیں ہوگی۔

درمختار میں ہے:

و یکرہ ان تسقي لاسقاط حملها ..... وجازا لعذر حیث لا یتصور۔

علامہ شامی وجاز لعذر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

كالمرضعة اذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها وليس لابى الصبي ما يستاجربه الظئر ويخاف هلاك الولد قالوا: يباح لها ان تعالج في

استنزال الدم ما دام الحمل مضغة او علقه ولم يخلق له عضو ..... وجاز لانه ليس بآدمي وفيه صيانة الادمى خانيه قوله حيث لا يتصور قيد لقوله وجاز لعذر والتصور كما في القنية ان يظهر له شعرا او اصبع او رجل او نحو ذلك۔ (الدر المختار مع رد المختار ٦١٥/٩ ط زكريا ديوبند)

اس عبارت میں تصریح ہے کہ عذر کی وجہ سے بھی اجازت اسی وقت ہے جبکہ ظہور بعض اعضاء نہ ہوا ہو ورنہ تو اجازت نہیں ہے؛ کیونکہ ظہور بعض اعضا کی صورت میں وہ نفس انسانی اور آدمی کے حکم میں ہوگا اس سے حرمت بنی آدم وابستہ ہوگی۔ الغرض عذر شرعی کی صورت میں اسقاط اسی وقت جائز ہے جبکہ ظہور بعض اعضا نہ ہوا ہو اور ظاہر ہے کہ ظہور اعضاء حمل پر تدریجی اور ارتقائی طور پر مرحلہ وار ہوتا ہے اور قدیم وجدید اطباء و ماہرین کی تصریح کے مطابق ظہور بعض اعضاء کا تحقق یقینی و بدیہی طور پر چار ماہ سے کافی پہلے ہو جاتا ہے کیونکہ چار ماہ میں تو بالاتفاق جان پڑتی ہے؛ لہٰذا لامحالہ ماننا پڑے گا کہ چار ماہ میں مکمل جسم بن چکا ہو کیونکہ جان کامل تخلیق اعضاء کے بعد ہی پڑے گی جس کا لازمی و منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ چار ماہ سے پہلے یقینا بعض اعضاء کا ظہور ہوگا۔

اب دوسری طرف فقہاء کرام کی وہ عبارات بھی ہیں جن میں چار ماہ سے پہلے عذر کی وجہ سے اسقاط کی گنجائش دی گئی ہے ظاہر ہے کہ یہ دونوں عبارتیں بیک وقت درست نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ پہلی عبارات کا مقتضی یہ ہے کہ اگر تین ماہ میں مثلا بعض اعضاء کا ظہور ہو گیا تو اب اسقاط جائز نہیں ہوگا جبکہ چار ماہ والی عبارات کا تقاضہ یہ ہے کہ چونکہ ابھی چار ماہ کا وقفہ حمل پر نہیں گزرا اس لیے ایسے اعذار کی صورت میں اسقاط جائز ہے۔

زیر نظر تحریر میں احقر نے اسی تعارض کو حل کرنے کی کوشش کی ہے اور بندہ دلائل کی روشنی میں اس نتیجہ تک پہنچا ہے کہ اس سلسلے میں اصل مدار حکم ظہور بعض اعضاء ہے؛ لہٰذا جن صورتوں میں یقین غلبہ ظن معتبر رپورٹ یا ماہر طبیب کی تشخیص سے بعض عضو کا ظہور ہو گیا ہو تو اب ان اعذار کے باوجود اسقاط جائز نہیں ہوگا چاہے، ابھی ایک سو بیس دن سے کم ہو کیونکہ چار ماہ اصل معیار نہیں ہے اور ہمارے فقہاء کرام نے جو چار ماہ کو ایک معیار کے طور پر ذکر کر دیا ہے وہ محض احتیاطاً تھا کیونکہ اس سے پہلے ظہور بعض اعضاء کے لیے کوئی معیار منضبط نہیں ہے زچہ، بچہ ماحول وعلاقہ کے اعتبار سے مدت مختلف ہو سکتی ہے۔

اور یہاں یہ اشکال نہ ہو کہ ظہور بعض اعضاء کے لیے ڈاکٹروں کی تشخیص یا رپورٹ اور الٹرا ساؤنڈ وغیرہ کو ذریعہ بنانا فنی تدقیقات اور طبی تحقیقات کو معیار بنانا ہے جو شرعاً بے اصل ہے کیونکہ درحقیقت یہ چیزیں معیار حکم نہیں ہے اصل تو ظہور بعض اعضاء ہے جو فقہاء کے کلام میں مصرح ہے اور یہ چیزیں ظہور بعض اعضاء کے لیے مظہر ہے نہ کہ مدار حکم جیسا کہ بہت سے احکام میں شرعاً اس کا لحاظ کیا گیا ہے مثلاً کوئی حاملہ یا مرضعہ عورت ہو جس کے لیے معتبر ڈاکٹر نے تجویز کیا کہ روزہ رکھنا بچے کے لیے باعث نقصان ہوگا وہ عورت ڈاکٹر کی تجویز کے مطابق روزہ چھوڑ سکتی ہے ظاہر ہے کہ یہاں اصل روزہ چھوڑنے کی رخصت کا جواز عذر کا تحقق ہے؛ البتہ عذر متحقق ہوا یا نہیں یہ ڈاکٹر کی تجویز و تشخیص طے کر دیگی اسی طرح یہاں اصل مدار ظہور بعض اعضاء ہے جو معتبر رپورٹ یا ماہر ڈاکٹر کی تشخیص سے طے ہو جائے گا؛ لہٰذا یہ فنی تحقیق و تدقیق کو معیار قرار دینے کے ذیل میں نہیں آئے گا۔ الغرض مطلقاً چار ماہ والے قول کو بنیاد بنا کر اسقاط کا حکم لگانا محل نظر ہے۔

بندہ اس موقع پر اپنے اکابرین واساتذہ محسنین ومعاونین کا دل سے شکر ادا کرتا ہے کہ انہیں کی دعا حوصلہ افزائی اور مہمیز سے یہ کام معرض وجود میں آیا ہے بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر مخدوم گرامی قدر فقیہ العصر مایہ ناز وبابصیرت مفتی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، صدر ال انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا شکریہ ادا نہ کیا جائے کہ حضرت والا نے اپنی ہمہ جہت ومتنوع خدمات، گوناگوں مصروفیات کے باوجود کتاب پر تقریظ لکھ کر خردوں کی حوصلہ افزائی کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔

اسی طرح بندہ گرامی قدر موفق وبافیض محقق عالم دین حضرت مولانا مفتی شکیل منصور قاسمی صاحب دامت برکاتہم، شیخ الحدیث سورینام جنوبی امریکہ کا بے حد ممنون کرم ہے کہ حضور والا نے بھی مسودے پر گہری نظر ڈال کر ایک وقیع تقریظ تحریر فرمائی۔

نیز احقر، محترم ڈاکٹر عزیز صاحب ورفیق گرامی شیخ وحید صاحب کا بھی شکر گزار ہے کہ انہی حضرات کی مساعی وکوششوں سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تین ماہ کے بعینہ جنین کی تصاویر ہم دست ہوسکیں جو شامل کتاب ہیں۔

اسی طرح رفیق گرامی مفتی محمد فائز صاحب قاسمی استاد حدیث وفقہ مدرسہ دارالعلوم آم بور بھی احقر کی طرف سے مستحق شکر ہیں کہ انہوں نے پورے مسودے پر گہری نظر ڈالی پروف ریڈنگ کی بعض جگہ مناسب عناوین کا اضافہ کیا اللہ پاک اس بے لوث علمی تعاون پر آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

اسی طرح احقر کے بعض تلامذہ جنہوں نے کتاب کی عربی عبارات کا خوش اسلوبی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے وہ بھی قابل مبارک باد اور مستحق دعا ہیں اللہ پاک ان سب حضرات کو اپنی شایان شان اجر عطا فرمائے۔

اخیر میں عرض ہے کہ یہ ایک طالب علمانہ کوشش ہے اپنے مطالعہ کا نچوڑ اور ماحصل ہے بہت ممکن ہے کہ اس میں نقص واغلاط ہوں ارباب افتاء اور اصحاب فکر ونظر سے استدعاء ہے کہ وہ اس پر مزید غور وخوض فرمالیں اگر کسی غلطی پر مطلع ہوتو ضرور متنبہ فرمادیں اللہ پاک اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور مؤلف کے لئے دارین میں سرخروئی کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

احقر محمد ثاقب قاسمی فتح پوری
خادم التدریس والافتا معراج العلوم چیتا کیمپ ٹرامبے، ممبئی-۸۸
۵ رجنوری ۲۰۲۵ء بمطابق ۴ رجب المرجب ۱۴۴۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عذرشرعی کی صورت میں اسقاطِ حمل کی شرعاً اجازت کے بارے میں بالعموم قدیم وجدید فتاوی میں یہ حکم لکھا ہے کہ نفخِ روح یعنی چار ماہ سے پہلے اس کی اجازت ہے اور چار ماہ کے بعد چوں کہ جان پڑ جاتی ہے اس لیے اب اسقاط جائز نہیں ہوگا اور کتب فقہ کی ان عبارات سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں اس کی تصریح ہے کہ اسقاط نفخِ روح سے پہلے جائز اور اس کے بعد ناجائز ہے؛ لیکن متعلقہ مباحث کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم علی الاطلاق درست نہیں ہے؛ بلکہ محتاج تفصیل ہے اور فقہی عبارات بھی مضطرب ہیں؛ اس لیے ذیل میں اختصار کے ساتھ کچھ معروضات پیش کی جارہی ہیں۔

درحقیقت حمل کی تین حالتیں ہیں:

(۱) حمل میں جان پڑ جائے

حمل میں جان بنص حدیث چار ماہ گزرنے کے بعد پڑتی ہے، جس پر اطباء اور فقہاء کا اتفاق ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں، علامہ نووی نے شرح مسلم میں، علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور دوسرے محققین نے اس پر اجماع واتفاق کی تصریح کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واتفق الأطباء على أن نفخ الروح لا يكون إلا بعد أربعة أشهر۔

(فتح الباری ۱۱/۴۹۰)

ترجمہ: اطبا کا اس پر اتفاق ہے کہ نفخِ روح کا عمل چار مہینے بعد ہی ہوتا ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

واتفق العلماء على أن نفخ الروح لا يكون إلا بعد أربعة أشهر۔

(شرح النووی علی مسلم ۱۹۱/۱۶)

ترجمہ: تمام علماء متفق ہیں کہ نفخِ روح کا عمل چار مہینے بعد ہی ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لم يختلف العلماء على ان نفخ الروح فيه اي الجنين يكون بعد مأة وعشرين يوما۔ (تفسیر قرطبی ۱۲/۷)

ترجمہ: تمام علماء متفق ہیں کہ جنین میں روح ایک سو بیس دن بعد پھونکی جاتی ہے۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے اس کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف منسوب کیا ہے۔

اما نفخ الروح فقد روي صريحا عن الصحابه رضي الله عنهم أجمعين أنه إنما ينفخ فيه الروح بعد أربعة أشهر۔

(جامع العلوم والحكم ٤٥ ص ٤٦)

ترجمہ: رہا نفخِ روح تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ صراحتاً مروی ہے کہ نفخِ روح چار مہینے بعد ہی ہوتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض حضرات کے حوالے سے اس پر فقہاء کا اتفاق نقل کیا ہے۔

نقل بعضهم انه اتفق العلماء على ان نفخ الروح لا يكون الا بعد أربعة أشهر أي عقيبها كما صرح به جماعة۔ (شامی ۱/۳۱۰)

ترجمہ: بعض حضرات سے منقول ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفخِ روح چار مہینے بعد ہی ہوتی ہے، جیسا کہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

الغرض روایات، آثار صحابہ، نیز اطباء وفقہاء کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ حمل پر ایک سو بیس دن گزرنے کے بعد ہی جان پڑتی ہے اور جان پڑنے کے بعد اسقاط حمل بالکل بھی جائز نہیں ہے۔

وبعدما وصل الماء الى رحمها إذا أرادت الإلقاء هل يباح لها ذلك؟ إن أرادت ذلك بعد مضى مدة ينفخ فيه الروح، فليس لها ذلك؛ لأنها تصير قاتلة۔ (المحيط البرهاني ٥/٣٧٤ الفصل التاسع عشر)

ترجمہ: مادۂ منویہ کے رحم مادر میں پہنچنے کہ بعد اگر عورت اسے گرانا چاہے تو کیا یہ جائز ہے؟ اگر وہ اسے اتنی مدت کے بعد گرانا چاہتی ہے کہ جس دوران اس میں روح ڈال دی جاتی ہے تو جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ اب اسے قتل کرنے والی مانی جائے گی۔

یہ حکم تو متفق علیہ ہے اس پر کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

وأشد منه إذا نفخ فيه الروح فإنه قتل نفس إجماعا۔

(الذخير ٥ ٤/٤١٩)

ترجمہ: اسقاط کی سب سے خطرناک صورت وہ ہے جب اس میں روح پھونک دی جائے؛ کیونکہ یہ بالاتفاق ایک

زندہ جان کو قتل کرنا ہے۔

(۲) ظہورِ بعض اعضاء سے پہلے کی حالت

یعنی جب کہ حمل محض نطفہ یا علقہ ہو اور اس کا کوئی عضو نہ بنا ہو تو چونکہ جب تک بعض اعضاء کا ظہور نہیں ہوگا اس وقت تک یہ واضح نہیں ہوگا کہ یہ انسانی بچہ ہے، گانٹھ، غدود اور گلٹی ہونے کا بھی احتمال ہوگا؛ اس لئے ظہور بعض اعضاء سے پہلے اسے نفس انسانی کے حکم میں نہیں رکھا جائیگا؛ کیوں کہ عدم ولد ہونا پہلے سے بالیقین ثابت ہے اور ولد ہونے میں شک ہے "والیقین لا یزول بالشک" کے ضابطہ کے مطابق ظہورِ بعض اعضاء سے قبل اس پر ولد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اسی بنیاد پر بعض حضرات نے استبانۂ خلق سے پہلے اسقاط کی مطلق اجازت ذکر کردی ہے۔

قالوا يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو. (رد المحتار على الدر المختار ٩/٦١٥. باب الاستبراء ط زكريا)

ترجمہ: فقہاء فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے اس وقت تک اسقاط جائز ہے جب تک کہ وہ گوشت کا ٹکڑا یا دمِ بستہ ہو اور اس کا کوئی عضو نہ بنا ہو۔

اسی طرح علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض فقہاء کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

وهل يباح الإسقاط بعد الحبل؟ يباح ما لم يتخلق شيء منه۔

(فتح القدير ٣/٤٠١ باب نكاح الرقيق)

ترجمہ: کیا حمل ٹھہرنے کے بعد اس کا اسقاط جائز ہے؟

جائز ہے جب تک کہ اس کا کوئی عضو نہ بنا ہو۔

درمختار میں ہے:

قالوا يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر ولو بلا إذن الزوج۔

(الدر مع الرد٤/٣٢٥ - ٣٣٦ باب نكاح الرقيق)

ترجمہ: فقہا فرماتے ہیں کہ چار مہینے سے قبل اسقاط حمل جائز ہے، گرچہ شوہر کی اجازت کے بغیر ہو۔

راجح قول:

لیکن محققین فقہاء احناف نے بلا عذر شرعی، ظہورِ بعض اعضاء سے قبل بھی اس بات کو مکروہ وممنوع قرار دیا ہے؛ لہٰذا معقول وقابلِ لحاظ طبی وشرعی ضرورت کے بغیر اسقاط بہر حال مکروہ ہوگا۔

چنانچہ امام قاضی خان اسقاط کے مطلقاً جواز والے قول کو رد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

وإذا أسقطت الولد بالعلاج قالوا إن لم يستبن شيء من خلقه لا تاثم قال رضي الله عنه ولا أقول به فإن المحرم إذا كسر بيض الصيد يكون ضامنا لأنه أصل الصيد فلما كان مؤاخذا بالجزاء ثمة فلا أقول من أن يلحقها إثم ههنا إذا أسقطت بغير عذر إلا أنها لاتاثم إثم القتل۔ (الخانية٣/٢٦٩۔٢٩٧)

ترجمہ: اگر کوئی عورت بچے کو علاج کے ذریعہ ساقط کر دے تو فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر بچے کی خلقت ظاہر نہ ہوئی ہو تو گنہگار نہ ہوگی، مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اس کا قائل نہیں ہوں کیوں کہ محرم اگر شکار کے انڈے کو توڑ

دے تو ضامن ہوگا اس لیے کہ انڈا شکار کی اصل ہے، پس جب یہاں پر اس سے بدلہ لیا جارہا ہے تو کم از کم جب وہ بلا عذر اسقاط کرے تو اس صورت میں اسے گناہ ضرور ہوگا، گرچہ قتل جیسا گناہ نہ ہو۔

متاخرین نے امام قاضی خان کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے۔

صاحب بحر لکھتے ہیں:

وَيَنْبَغِي الاعْتِمَادُ عَلَيْهِ لِأَنَّ لَهُ أَصْلًا صَحِيحًا يُقَاسُ عَلَيْهِ۔

(البحر الرائق ٣/٢١٥)

ترجمہ: اور اسی قول کو معتمد علیہ قرار دینا مناسب ہے اس لیے کہ اس کی صحیح اصل موجود ہے جس پر قیاس کیا جاسکے۔

امام قاضی خان کے اس تبصرہ کو اجمال و تفصیل کے ساتھ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مقامات پر ترجیحاً ذکر کیا ہے اور اسی کے مطابق حکم ذکر فرمایا ہے، فقیہ علی بن موسیٰ کے حوالہ سے آپ لکھتے ہیں کہ چونکہ اس نطفہ کا مآل بھی انسانی جان ہی ہے؛ اس لیے بلا عذر اس کا ضیاع بہر حال مکروہ ہوگا۔

چنانچہ ابن وھبان نے بھی جواز والے اقوال کا محمل عذر ہی کی صورت کو قرار دیا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وكان الفقيه على بن موسى يقول إنه يكره فان الماء بعد ما وقع في الرحم مآله الحياة فيكون له حكم الحياة كما في بيضة صيد الحرم و نحوه في الظهيرية قال ابن وهبان فإباحة الاسقاط محمولة على حاله العذر أو أنها لا تاثم إثم القتل۔ (شامي ٤/٣٣٦ط زكريا)

ترجمہ: فقیہ علی بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے؛ اس لیے کہ پانی جب رحم میں آ گیا تو اس کا انجام کار زندگی ہے؛ لہٰذا اس کا حکم زندہ شخص کی طرح ہوگا، جیسا کہ حرم کے شکار کے انڈے کا حکم ہے اور اسی طرح ظہیریہ میں ہے، ابن وہبان فرماتے ہیں کہ: حمل کو ساقط کرنا عذر کی حالت پر محمول ہے یا یہ کے اس پر قتل کا سا گناہ نہ ہوگا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام قاضی خان کے قول کی اصل مبسوط سرخسی میں بھی مذکور ہے۔

أَلَا تَرَى أَنَّ الْمُحْرِمَ إِذَا كَسَرَ بَيْضَ الصَّيْدِ يَلْزَمُهُ الْجَزَاءُ، وَلَيْسَ فِي الْبَيْضِ مَعْنَى الصَّيْدِيَةِ، وَلَكِنَّهُ أَصْلُ الصَّيْدِ فَيَثْبُتُ فِيهِ مِنْ الْحُكْمِ مَا يَثْبُتُ فِي الصَّيْدِ۔ (المبسوط للسرخسي ١٣٣/١٦)

ترجمہ: کیا یہ حکم نہیں ہے کہ محرم اگر شکار کے انڈے کو توڑ دے تو اس پر جزا لازم ہوتی ہے حالانکہ انڈا شکار نہیں ہے، لیکن چونکہ وہ شکار کی اصل ہے تو اس میں وہی حکم ثابت ہوگا جو شکار میں ہوتا ہے۔

نسل کی حفاظت مقصد شریعت

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مقاصد شریعت میں سے ایک بنیادی چیز نسل کی حفاظت ہے، یعنی شریعت نے نسل کی حفاظت، بقا اور اس کی افزائش کا معقول و محفوظ نظام فراہم کیا ہے۔

علامہ شاطبی علیہ الرحمہ الموافقات میں لکھتے ہیں:

و مجموع الضروريات خمسة وهي حفظ الدين والنفس والنسل والمال والعقل وقد قالوا إنها مراعاة في كل ملة۔

(الموافقات للشاطبي ۲/۱۰ النوع الاول)

ترجمہ: مجموعی طور پر ضروریات کی کل پانچ قسمیں ہیں اور وہ دین، نفس، نسل، مال اور عقل کی حفاظت کرنا ہے، اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ہر قوم میں ان اشیاء کا تحفظ کیا جاتا ہے۔

علامہ شاطبی علیہ الرحمہ کی طرح امام غزالی، علامہ آمدی، ابن الحاجب اور قاضی شوکانی نے حفظ النسل ہی کی تعبیر اختیار کی ہے جبکہ امام رازی، علامہ ابن قدامہ، علامہ قرافی، قاضی بیضاوی، علامہ آسنوی اور علامہ بدخشی وغیرہ نے اس مفہوم کو حفظ النسب کی تعبیر سے بیان فرمایا ہے، دونوں ایک ہی مقصد اور مفہوم کی تعبیریں ہیں۔

حفاظت نسل کے خصوصی احکام

اسی حفاظت نسل کی وجہ سے شریعت میں خصوصی احکام و ہدایات عطا کی گئیں؛ چنانچہ نکاح کی مشروعیت، صحبت کا جواز، تبتل (ترک دنیا کی نیت سے شادی نہ کرنا) اور خصی ہونے کی ممانعت، تولیدی صلاحیت ختم کرنے کی ممانعت، زنا کی حرمت اور حمل پر تعدی کرنے والے پر حسب اصول دیت و کفارہ کا وجوب، یہ سب احکام اسی حفاظت نسل کے مقصد کے گرد گھومتے ہیں۔

چنانچہ اختصاء کی ممانعت پر کلام کرتے ہوئے حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

والحكمة في منعهم من الاختصاء إرادة تكثير النسل ليستمر جهاد الكفار و إلا لوأذن في ذلك لأوشك تواردهم عليه فيتقطع النسل، فيقل المسلمون بانقطاعه، ويكثر الكفار فهو خلاف المقصود من البعثة المحمدية۔ (فتح الباري ۱۱۸/۹ باب ما يكره من التبتل)

ترجمہ: خصی بننے سے منع کرنے کی حکمت زیادتی نسل ہے تاکہ کفار سے جہاد جاری رہے اور اگر اس کی اجازت دے دی جاتی تو بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہو جاتے، جس سے نسل ختم ہو جاتی اور نسل کے ختم ہونے کی وجہ سے مسلمان کم ہو جاتے اور کفار زیادہ ہو جاتے، اور یہ بعثت محمدی کے مقصد کے خلاف ہے۔

علامہ عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

وفيه تحريم الاختصاء لما فيه من تغيير خلق الله تعالى ولما فيه من قطع النسل۔ (عمده القاري ۲۰۸/۱۸ رقم الحديث ٤٦١٥)

ترجمہ: اس میں خصی بننے کی حرمت کا حکم ہے کیونکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی کرنا ہے، نیز اس لیے کہ اس سے نسل ختم ہو جاتی ہے۔

اور چونکہ بلا عذر اسقاط حمل شریعت کے بنیادی مقصد حفظ نسل سے متصادم ہے؛ اس لیے ممنوع ہوگا بلا معقول وجہ کے اس کی اجازت نہیں ہوگی خواہ حمل ابتدائی مرحلے میں ہو۔ فقہاء احناف کے یہاں راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ

بدون عذر شرعی ظہورِ بعض اعضاء سے قبل بھی اسقاط درست نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے؛ نیز یہی رائے مزاج شریعت سے ہم آہنگ ہے۔

حضرت غامدیہؓ کے واقعے سے استدلال

شریعت کی اس روح کو حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں محسوس کیا جاسکتا ہے، حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چار مرتبہ اقرار کیا کہ ان سے زنا کا ارتکاب ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ٹالا، مگر انہوں نے باصرار عرض کیا کہ میں زنا سے حاملہ ہوں، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں وضع حمل تک انتظار کرنے کا حکم دیا، وضع حمل کے بعد وہ پھر آئیں آپ نے ایام رضاعت کے بعد آنے کا حکم دیا، پھر جب بچہ روٹی کھانے لگا تب آپ نے انھیں سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

قَالَ فَجَاءَتِ الْغَامِدِيَّةُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي قَدْ زَنَيْتُ فَطَهِّرْنِي، وَإِنَّهُ رَدَّهَا فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، لِمَ تَرُدُّنِي؟ لَعَلَّكَ أَنْ تَرُدَّنِي كَمَا رَدَدْتَ مَاعِزًا، فَوَاللهِ إِنِّي لَحُبْلَى، قَالَ: إِمَّا لَا فَاذْهَبِي حَتَّى تَلِدِي، فَلَمَّا وَلَدَتْ أَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ فِي خِرْقَةٍ قَالَتْ: هَذَا قَدْ وَلَدْتُهُ، قَالَ: اذْهَبِي فَأَرْضِعِيهِ حَتَّى تَفْطِمِيهِ، فَلَمَّا فَطَمَتْهُ أَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ فِي يَدِهِ كِسْرَةُ خبز، فَقَالَتْ: هَذَا يَا نَبِيَّ اللهِ قَدْ فَطَمْتُهُ، وَقَدْ أَكَلَ الطَّعَامَ، فَدَفَعَ الصَّبِيَّ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَحُفِرَ لَهَا إِلَى صَدْرِهَا، وَأَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوهَا۔ (مسلم شریف رقم ١٦٩٥)

ترجمہ: راوی کہتے ہیں کہ حضرت غامدیہ تشریف لائیں تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول میں نے زنا کیا ہے مجھے پاک کر دیجئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لوٹا دیا، پھر

دوسرے دن وہ آئیں اور کہا کہ: اے اللہ کے رسول آپ نے مجھے کیوں لوٹایا؟ شاید کہ آپ نے مجھے اسی طرح لوٹایا جیسا کہ آپ نے حضرت ماعز کو لوٹایا تھا، اللہ کی قسم میں حاملہ ہوں، آپ نے فرمایا: میں نے اس لیے نہیں لوٹایا تھا، آپ جاؤ اور بچے کی ولادت کے بعد آؤ، پھر جب انہوں نے بچہ جن دیا تو بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر لے آئیں اور کہا: یہ وہ بچہ ہے جسے میں نے جنا ہے، آپ نے فرمایا: جاؤ اور اسے دودھ پلاؤ یہاں تک کہ تم اس کا دودھ چھڑا دو، پھر جب انہوں نے دودھ چھڑا دیا تو بچے کو لے کر آئیں، اس حال میں کہ بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، پھر کہا: اے اللہ کے نبی میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے، اور یہ کھانا کھانے بھی لگا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچے کو مسلمانوں میں سے ایک شخص کو دے دیا، پھر حکم دیا کہ ان کے لیے سینے تک گڑھا کھودا جائے، اور لوگوں کو رجم کرنے کا حکم دیا۔

اس واقعہ میں اگرچہ یہ متعین نہیں ہے کہ حضرت غامدیہؓ کی آمد ارتکاب زنا کے چار ماہ بعد ہوئی یا چار ماہ کے اندر، مگر قوی قرینہ یہ بتا رہا ہے کہ آمد چار ماہ سے قبل ہوئی ہوگی؛ کیوں کہ استقرار حمل کا احساس عورت کو بہت جلد ہو جاتا ہے، پھر زنا جتنا بڑا اخلاقی اور مذہبی جرم ہے اس کے ارتکاب کے نتیجے میں احساسِ جرم اور احساسِ ندامت بہت جلد ہوتا ہے، جب کہ ضمیر زندہ اور اخلاقی حس بحال ہو، پھر حضرات صحابہ کرام اس سلسلے میں نہایت حساس تھے، فیضان نبوت کی تربیت سے ان کے قلوب انتہائی شفاف اور مجلی و مصفی تھے، اس بنا پر یہ نہیں کہا

جاسکتا کہ حضرت غامدیہ کو چار ماہ کے بعد اس کا احساس ہوا ہوگا؛ بلکہ قوی قرینہ یہی ہے کہ انہوں نے حمل کا احساس ہوتے ہی فوراً دربارِ نبوت کا رخ کیا ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حمل کی حفاظت وصیانت کی وجہ سے انھیں اسی وقت سنگسار نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ اگر چہ حمل ابتدائی ایام ہی کا کیوں نہ ہو شریعت کی روح اور اس کا مزاج اس کی حفاظت وبقاء کا ہے، الا یہ کہ کوئی شرعی معقول عذر ہو اسی لیے اگر کسی حاملہ عورت سے زنا سرزد ہو جائے یا عورت زنا کے نتیجے میں حاملہ ہو جائے تو حفاظت جنین کی وجہ سے وضع حمل تک اس پر شرعی حد نہیں جاری کی جائے گی۔

ابن المنذر ابن رشد اور علامہ ابن عبد البر رحمہم اللہ نے اس پر اجماع کی تصریح کی ہے:

قال ابن المنذر: وأجمعوا على أن المرأة إذا اعترفت بالزنا وهي حامل أنها لا ترجم حتى تضع حملها۔ (الإجماع لابن المنذر ١٤٢)

ترجمہ: ابن منذر فرماتے ہیں کہ فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جب عورت زنا کا اقرار کرے اور وہ حاملہ ہو تو وضع حمل تک اسے رجم نہیں کیا جائے گا۔

قال ابن رشد و أجمعوا على أن الحامل إذا قتلت عمداً لا يقاد منها حتى تضع حملها۔ (بدايه المجتهد ٤٠٥/٣)

ترجمہ: ابن رشد فرماتے ہیں کہ فقہاء کرام اس پر متفق ہیں کہ حاملہ عورت اگر کسی کو عمداً قتل کر دے تو اس سے وضع حمل تک قصاص نہیں لیا جائے گا۔

قال ابن عبد البر: وإذا قتلت المرأة رجلا او امرأة عمدا والتي قتلت حامل لم يقدمنها حتى تضع حملها، هذا إجماع من العلماء وسنة مسنونة۔ (الاستذكار لابن عبدالبر ٨٦/٢٠)

ترجمہ: علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اور جب عورت کسی آدمی یا عورت کا عمداً قتل کردے اور وہ حاملہ ہو تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ حمل جن دے، اس پر علماء کا اجماع ہے اور یہی تعامل امت ہے۔

جنین اور رضیع کے تحفظ کا حکم بھی حفاظت حمل کیلئے ہے

شریعت کی اس روح کو واضح طور پر اس امر میں بھی محسوس کیا جاسکتا ہے کہ شریعت نے جنین اور رضیع کے تحفظ کے لیے حاملہ اور مرضعہ کو رمضان کے فرض روزے قضا کرنے کی اجازت دی ہے۔ ترمذی ابو داؤد ابن ماجہ وغیرہ میں روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ حاملہ اور مرضعہ کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكَ، رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: أَغَارَتْ عَلَيْنَا خَيْلُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَجَدْتُهُ يَتَغَدَّى، فَقَالَ: »ادْنَ فَكُلْ«، فَقُلْتُ: إِنِّي صَائِمٌ، فَقَالَ: ادْنُ أُحَدِّثْكَ عَنِ الصَّوْمِ، أَوِ الصِّيَامِ، إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ، وَشَطْرَ الصَّلَاةِ، وَعَنِ الحَامِلِ أَوِ الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ أَوِ القِيَامَ"، وَاللهِ لَقَدْ قَالَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِلَيْهِمَا أَوْإِحْدَاهُمَا، فَيَا لَهْفَ نَفْسِي أَنْ لَا أَكُونَ طَعِمْتُ مِنْ طَعَامِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (سنن الترمذي ۸۵/۳)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلۂ بنوعبداللہ بن کعب کے ایک شخص نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھوڑ سواروں نے ہم پر حملہ کر دیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوپہر کا کھانا کھاتے ہوئے پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: قریب ہو جاؤ اور کھاؤ تو میں نے کہا: میں روزے دار ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا قریب ہو جاؤ، میں تمہیں روزے کے متعلق ایک بات بتاتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسافر سے روزے اور نصف نماز کو ہٹا دیا ہے اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے روزے کو ہٹا دیا ہے (راوی کہتے ہیں) اللہ کی قسم (مجھے نہیں معلوم) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کا تذکرہ کیا تھا یا ان میں سے کسی ایک کا تذکرہ کیا تھا لیکن مجھے اپنے اوپر افسوس ہے کہ میں نے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھایا۔ (ترمذی شریف ۸۵/۳)

غور طلب امر یہ ہے کہ یہاں حامل اور مرضع کے لیے اسم مشتق کے ساتھ رخصت کی گنجائش منقول ہے اور کتب اصول میں یہ مصرح ہے کہ جب اسم مشتق پر کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو ماخذ اشتقاق ہی اس کی علت ہوتا ہے، یعنی حاملہ کو یہ رخصت حمل کی حفاظت وصیانت کی وجہ سے ہی دی جارہی ہے، اس قاعدے کی تصریح الکوکب الدری اور حاشیہ الصاوی وغیرہ میں بھی ہے؛ نیز اس حدیث کے

ذیل میں شراح حدیث نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ یہاں حاملہ کو گنجائش بچے کے تحفظ وبقا کی وجہ سے ہی ہے۔

علامہ خطابی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

والحامل والمرضع تفطران إبقاء على الولد ثم تقضيان وتطعمان من أجل أن إفطارهما كان من أجل غير أنفسهما۔

(معالم السنن للخطابي ۱۵۲/۲)

ترجمہ: حاملہ اور مرضعہ بچے کی بقاء کے خاطر افطار کرسکتی ہیں البتہ پھر قضاء کریں گی اور (غریبوں کو) کھانا کھلائیں گی کیونکہ ان دونوں نے اپنے لیے افطار نہیں کیا تھا۔

صاحب تحفۃ الاحوذی نے علامہ شوکانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حاملہ وغیرہ کے لیے رخصت افطار کی اجازت اجماعی ہے، اس میں کسی فقیہ ومجتہد کا اختلاف نہیں ہے؛ نیز علامہ شوکانی علیہ الرحمہ نے فقہاء کی طرف منسوب کرکے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اگر روزہ رکھنا یقین یا ظن غالب سے بچے کے لیے نقصان دہ ہو تو حاملہ ومرضعہ کے لیے صرف روزہ نہ رکھنے کا اختیار نہیں ہے؛ بلکہ حتمی ولزومی طور پر روزہ نہ رکھنا ضروری ہے:

ولا خلاف في جواز الإفطار للحامل والمرضعة إذا خافت المرضعة على الرضيع والحامل على الجنين، قال الشوكاني في النيل: يجوز للحبلى والمرضع الإفطار وقد ذهب إلى ذلك العترة والفقهاء اذا خافت المرضعة على الرضيع والحامل على الجنين، وقالوا إنها تفطر حتما قال أبو طالب ولا خلاف في الجواز۔ (تحفة الأحوذی (۳۳۰/۳)

ترجمہ: حاملہ اور مرضعہ کے روزہ نہ رکھنے کے جواز میں

کسی کا اختلاف نہیں ہے؛ جبکہ مرضعہ کو دودھ پیتے ہوئے بچے پر اور حاملہ کو جنین پر خوف ہو، علامہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں: حاملہ اور مرضعہ کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے جیسا کہ فقہاء کی ایک جماعت اس کی قائل ہے، بشرطیکہ مرضعہ دودھ پیتے بچے پر اور حاملہ جنین پر خوف کرے، فقہا فرماتے ہیں کہ لازمی طور پر روزہ نہیں رکھے گی، ابو طالب کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حاملہ کے لیے یہ اجازت کسی مدت کی تحدید کے بغیر ہے یعنی اگر حمل بالکل ابتدائی مرحلے کا ہو اور معتبر طبیب نے روزے کو حمل کے لیے نقصان دہ بتایا ہو تو اس صورت میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، چاہے ابھی حمل پر جان نہ پڑی ہو اور نہ اعضاء بنے ہوں۔

معلوم ہوا کہ اس مرحلے میں بھی شریعت کی نظر میں حمل کی حفاظت وصیانت اور اس کی بقا مطلوب ہے، جس کی وجہ سے فرض روزے مؤخر کرنے کی اجازت دی جارہی ہے؛ اس لیے علی الاطلاق اسقاط کے جواز والا قول مزاجِ شریعت سے ہم آہنگ نہیں ہے بلکہ اس کے بنیادی مقصد اور روح کے خلاف ہے؛ اس لیے درست نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی نے بلا عذر اس حالت میں اسقاط کر ہی لیا تو اسے قتل نفس جیسا گناہ نہیں ہوگا، مذکورہ دونوں حالتوں کے احکام میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے۔

(۳) ظہور بعض اعضاء کی حالت

تیسری حالت اور درحقیقت یہی محل اختلاف اور موقع اضطراب ہے، یعنی جب حمل کے بعض اعضاء کا ظہور ہو جائے اور ابھی چار ماہ مکمل نہ ہوں مثلاً اس کی آنکھ، انگلی، ناخن وغیرہ کوئی عضو بن جائے، اگر چہ ابھی مکمل انسانی ڈھانچہ اور کامل تخلیق اعضاء نہ ہو، تو اس مرحلہ میں راجح عندالاحناف یہی ہے کہ یہ بحکم ولد اور بمنزلہ نفس ہے، اسقاط وغیرہ کے سلسلے میں اس پر تام الخلقت بچے کے احکام جاری ہوں گے، یہی ہماری اصل کتب مذہب میں مصرح ہے اور روایات وآثار سے مؤید ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کے حمل پر اگر چار ماہ مکمل گزر جائیں اور اس کے مکمل اعضاء بن چکے ہیں اور اس پر جان پڑ چکی ہے، تو یہ جملہ احکام میں نفس ناطقہ اور ولد کامل کے حکم میں ہے۔ اور اگر حمل بالکل ابتدائی مرحلہ میں ہے جس میں کسی بھی عضو کا ظہور نہیں ہوا ہے، تو یہ کسی بھی حکم میں ولد کے درجے میں نہیں ہے؛ کیونکہ عدم ولد ہونا بالیقین ثابت تھا، اب شک کی وجہ سے ولدیت ثابت نہیں ہوگی، تا آں کہ یقین ہو جائے کہ یہ کوئی غدود اور گانٹھ نہیں ہے، بلکہ ولد ہے (جو ظہور بعض اعضاء سے ہی معلوم ہوگا)؛ البتہ اس مرحلے پر بھی اس کا اسقاط بلا معقول عذر کے مکروہ وممنوع ہے۔

اور تیسری درمیانی حالت یہ ہے کہ اس حمل پر بعض اعضاء کا ظہور ہو چکا ہے، جبکہ ابھی جان نہیں پڑی مکمل اعضاء نہیں بنے، اس مرحلہ میں ہمارے فقہاء کی بلکہ جمہور کی تصریحات کے مطابق یہ بحکم ولد ہوگا اور اس پر تام الخلقت ولد کے احکام لاگو ہوں گے۔

النتف فی الفتاوی میں ان تینوں مرحلوں کو اختصار کے ساتھ بڑی خوبصورتی سے ذکر فرمایا ہے:

وَالْخَامِس السقط وهُوَ على ثلاثة أوجه أحدها ولد في نفسه وولد فِي غَيْره وَهُوَ الذي يولد من أمه حيا فانه يوجب عشرا من الْاحكام ثَلَاثَةٌ فِي امِهِ وَ سَبْعَة فِي نَفْسِهِ فَأَمَا التي في أمه تصير أمه أم ولد وتصير أمه به نفساء وتخرج الأم به من العدة واما الَّتِي فِي نفسه فإنه يرث وَيُورث مِنْهُ ويحجب ويغسل ويكفن ويصلى عَلَيْهِ ويدفن والثاني ولد فِي غَيْره وَلَا ولد في نفسه وَهُوَ الَّذِي يُولد من أمه ميتا قد تبين أعضاءه فانه يوجب ستة أشياء فمن الاحكام ثَلَاثَة فِي نَفسه وَثَلَاثَة في أمه فَأما الَّتِي فِي أمِهِ فَمَا ذَكَرْنَاهَا فِي الأولى وأما التي في نفسه فإنه يغسل ويكفن ويدفن وَقَالَ بعض الْفُقَهَاءِ لَا يغسل وَالثَّالِث ولد في نفسه وَلَا ولد في غيره وَهُوَ الَّذِي يسقط من أمهِ لَا يَتَبَيَّن شَيْء من اعضائه فَأن رَأَتْ الْمَرْأَة الدَّم ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَوْ فَوْقها إلى عشرة أيام فإنها حيض وان رَأَتْ دون الثَّلَاث وَفَوق العشرة فإنها اسْتِحَاضَة۔ (النتف في الفتاوى للسغدي ١/ ١١٩)

ترجمہ: پانچویں قسم جنین ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی ولد ہو اور دوسروں کے حق میں بھی یعنی وہ جو کہ زندہ پیدا ہوا ہو، اس کی وجہ سے دس طرح کے احکام نافذ ہوتے ہیں: تین ماں کے حق میں اور سات خود اس کی ذات کے حق میں، وہ احکام جو اس کے ماں سے متعلق ہیں وہ یہ ہے، کہ وہ ام ولد ہو جاتی ہے، اس کا شمار اس کی وجہ سے نفساء میں ہوتا ہے اور اس کے

ذریعے وہ عدت سے بھی نکل جاتی ہے، رہے وہ احکام جو خود اس ولد سے متعلق ہیں، وہ یہ ہیں کہ وہ وارث اور مورث بنتا ہے حاجب بنتا ہے، مرجانے کی صورت میں اسے غسل اور کفن دیا جاتا ہے، اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اور اسے دفن کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو دوسروں کے حق میں تو ولد ہے، لیکن اپنی ذات میں وہ ولد نہیں ہے، یعنی جو مردہ پیدا ہوا ہو اور جس کے اعضاء بھی بن چکے ہوں، اس کی وجہ سے چھ طرح کے احکام نافذ ہوتے ہیں: تین تو خود اس کی ذات کے حق میں اور تین اس کی ماں کے حق میں، وہ احکام جو اس کی ماں کے حق میں نافذ ہوتے ہیں وہ وہی ہیں جو پہلی قسم میں ذکر کیے جا چکے ہیں اور وہ احکام جو اس ولد کے حق میں نافذ ہوتے ہیں، یہ ہیں کہ اسے غسل دیا جاتا ہے، کفن پہنایا جاتا ہے اور دفن کر دیا جاتا ہے؛ البتہ بعض فقہا فرماتے ہیں کہ اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔

تیسری قسم جو نہ اپنی ذات کے اعتبار سے ولد ہو اور نہ دوسروں کے حق میں یعنی وہ جو کہ اعضاء کے بننے سے پہلے ہی ساقط ہو گیا ہو تو اگر عورت اس کے ساقط ہونے کے بعد تین دن یا اس سے زیادہ دس دن تک خون دیکھے تو یہ حیض کا خون ہوگا اور اگر تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ ہو تو یہ استحاضہ ہوگا۔

اس پیراگراف میں غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ظہور عضو ہو چکا ہے تو اسے دوسروں کے حق میں ولد مانا گیا ہے اور اسقاط بھی دوسروں سے متعلق حکم ہے؛ لہٰذا اس میں بھی وہ دوسروں کے حق میں بحکم ولد ہوگا اور اسقاط کے عدم جواز کی علت ہی اس کا ولد ہونا ہے۔

ظہور بعض اعضاء والی صورت میں بحکم ولد ہونے کے دلائل

پہلی دلیل:

ظہور بعض اعضاء کی صورت میں فقہائے کرام نے اسے بحکم ولد قرار دے کر اس کے اسقاط کو ناجائز قرار دیا ہے، جس کا مستدل یہ ہے کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں ملیکہ اور ام غطیف دونوں باہم سوکن تھیں اور حمل بن مالک بن نابغہ الہذلی کے نکاح میں تھیں، کسی بات پر لڑائی ہوئی جھگڑے نے طول پکڑا، ایک نے دوسرے کے پیٹ پر پتھر یا لکڑی سے مارا، جس کے نتیجہ میں حمل ساقط ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مارنے والی پر جنین کے بدل اور عوض کے طور پر غرہ واجب کیا:

عن أبي هريرة أن امراتين من هذيل رمت أحداهما الأخرى، فطرحت جنينها، فقضى فيه النبي صلى الله عليه وسلم بغرة عبد أو أمة. (مسلم شريف رقم ٤٢٥٢)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ہذیل کی دو عورتوں میں سے ایک نے دوسری کو پتھر کھینچ کر مارا جس سے اس دوسری کا بچہ ساقط ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں ایک غرہ یعنی غلام یا باندی دیت میں دینے کا فیصلہ فرمایا۔

ابوداؤد کی روایت میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس جنین کے بال وغیرہ آ گئے تھے:

عن ابن عباس في قصة حمل بن مالک قال: فأسقطت غلاما وقدنبت شعره میتا۔ (أبو داؤد رقم ٤٧٥)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ حمل بن مالک کے واقعے میں فرماتے ہیں کہ اس عورت نے ایک مردہ لڑکا جنا تھا جس پر بال آ چکے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنین کو محض ایک عضو اور ماں کا ایک جزء نہیں قرار دیا بلکہ مستقل نفس قرار دے کر غرۃ واجب کیا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: فَذَهَبَ قَوْم إِلَى أَنَّ الْغُرَّةَ الْوَاجِبَةَ فِي الْجَنِينِ إِنَّمَا تَجِبُ لِأُمِّ الْجَنِينِ لِأَنَّ الْجَنِينَ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ كَانَ حَيًّا فِي وَقْتِ وُقُوعِ الضَّرْبَةِ بِأُمِّهِ. وَخَالَفَهُمْ فِي ذَلِكَ آخَرُونَ فَقَالُوا: بَلْ تِلْكَ الْغُرَّةُ الْمَحْكُومُ بِهَا الْجَنِينَ ثُمَّ يَرِثُهَا مَنْ كَانَ يَرِثُهُ لَوْ كَانَ حَيًّا. وَكَانَ مِنَ الْحُجَّةِ لَهُمْ فِي ذَلِكَ مَا قَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي هَذِهِ الْآثَارِ »أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَضَى عَلَى الْمَحْكُومِ عَلَيْهِ بِالْغَرَّةِ قَالَ كَيْفَ يَعْقِلُ مَنْ لَا أَكَلَ وَلَا شَرِبَ وَلَا نَطَقَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ غُرَّةٌ عَبْداً أَوْ أَمَةً« وَلَمْ يَقُلْ لِلَّذِي سَجَعَ ذَلِكَ السَّجْعَ » إِنَّمَا حَكَمْتُ بِهَذَا لِلْجِنَايَةِ عَلَى الْمَرْأَةِ لَا فِي الْجَنِينِ«. وَقَدْ دَلَّ عَلَى ذَلِكَ أَيْضًا مَا رَوَيْنَاهُ فِيمَا تَقَدَّمَ فِي هَذَا الْكِتَابِ أَنَّ الْمَضْرُوبَةَ مَاتَتْ بَعْدَ ذَلِكَ مِنَ الضَّرْبَةِ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا بِالدِّيَةِ مَعَ قَضَائِهِ بِالْغُرَّةِ. فَلَوْ كَانَتِ الْغُرَّةُ لِلْمَرْأَةِ الْمَقْتُولَةِ إِذًا لَمَا قَضَى لَهَا

بِالْغُرَّةِ وَلَكَانَ حُكْمُهَا حُكْمَ امْرَأَةٍ ضَرَبَتْهَا امْرَأَة فَمَاتَتْ مِنْ ضَرْبِهَا فَعَلَيْهَا دِيَتُهَا وَلَا يَجِبُ عَلَيْهَا لِلضَّرْبَةِ أَرْش. فَلَمَّا حَكَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ دِيَةِ الْمَرْأَةِ بِالْغُرَّةِ ثَبَتَ بِذَلِكَ أَنَّ الْغُرَّةَ دِيَةٌ لِلْجَنِينِ لَا لَهَا فَهِيَ مَوْرُوثَةٌ عَنِ الْجَنِينِ كَمَا يُوَرَّثُ مَالُهُ لَهُ لَوْ كَانَ حَيًّا فَمَاتَ اتِّبَاعًا لِمَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔

(شرح معاني الآثار ٢٠٦/٣)

ترجمہ: حضرت امام ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ جنین کے سلسلے میں جو غلام واجب ہوگا وہ جنین کی ماں کے لیے ہوگا؛ کیونکہ معلوم نہیں ہے کہ ماں کو مارتے وقت جنین زندہ ہے یا نہیں، لیکن دوسرے حضرات نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ جس غلام کا فیصلہ کیا گیا وہ جنین یعنی بچے کا ہوگا پھر وہ لوگ اس کے وارث ہوں گے جو اس بچے کے زندہ ہونے کی صورت میں وارث ہوتے، اس سلسلے میں ان کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ان روایات کے ذیل میں ذکر کی کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام دینے کا فیصلہ فرمایا، تو اس نے کہا اس کی دیت کیسے دی جائے جس نے کھایا نہ پیا اور نہ بات چیت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں ایک غلام یا لونڈی ہے اور اس قافیہ والے یعنی شاعری کرنے والے سے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے یہ حکم اس لیے دیا کہ

عورت کو نقصان پہنچایا گیا ہے نہ کہ جنین کی وجہ سے، اور اس بات پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو ہم نے اس کتاب میں اس سے پہلے ذکر کی ہے کہ اس کے بعد مضروبہ عورت مر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیت کے فیصلے کے ساتھ ساتھ غرہ کا فیصلہ بھی فرمایا، اگر غرہ اس مقتولہ عورت کا حق ہوتا تو آپ اس کا فیصلہ نہ فرماتے اور اس کا حکم اس عورت کے حکم جیسا ہوتا، جسے دوسری عورت مارے اور وہ اس کی ضرب سے مر جائے تو اس قاتلہ پر اس کی دیت ہوتی ہے اور مارنے کی وجہ سے کوئی تاوان نہیں ہوتا، تو جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کے دیت کے ساتھ غرہ کا فیصلہ فرمایا تو ثابت ہوا کہ غلام جنین کی دیت ہے اس عورت کی نہیں وہ اس بچے سے اس طرح وارث ہوگی جس طرح اس کے زندہ ہونے اور پھر مر جانے کی صورت میں اس کی وارث ہوتی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی روایت کی اتباع ہے اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ (شرح معانی الآثار ۳/۲۰۶)

امام جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مختصر الطحاوی میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

والغرة موروثة عن الجنين على فرائض الله عز وجل وذلك لما في حديث المغيرة بن شعبة رضي الله عنه أن المرأة التي ضربت ألقت جنينا ميتا، ثم ماتت فقضى رسول الله صلي الله عليه وسلم عاقلتها

بالدية، وفي الجنين بغرة فأفردها عن حكم الأم في باب إيجاب الغرة منه، مع وجوب دية الأم، فثبت أن حكمه في باب البدل حكم النفس، فوجب أن يكون لورثته، ولو كان محكومًا له بحكم الأعضاء، لدخلت الغرة في الدية، كما لو قطع يدها، ثم ماتت من القطع، دخلت دية اليد في النفس ويدل على ذلك: أن النبي صلي الله عليه وسلم لما أوجب في الجنين الغرة، قال حمل بن مالك بن النابغة: "كيف ندي من لا أكل ولا شرب ولا صاح و استهل؟ فمثل ذلك يطل فقال النبي صلي الله عليه وسلم: "أسجع كسجع الأعراب، فيه غرة: عبد أو أمة فلم ينكر النبي عليه الصلاة والسلام قول حمل بن مالك، أن ذلك دية الجنين، ولم يقل: إن ذلك وجب بجنايته على المرأة فثبت أن الغرة واجبة بجنايته على الجنين، دونها، وأنه بمنزلة نفس مباينة لها في حكم الغرة۔

(شرح مختصر الطحاوي للجصاص ١٩/٦)

ترجمہ: غلام جنین کی جانب سے وراثت شمار کیا جائے گا اللہ تعالی کے حکم کی وجہ سے اور وہ اس لیے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث میں ہے کہ عورت کو مارا گیا تو اس نے مردہ بچہ جنا، پھر وہ مر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے عاقلہ کے لیے دیت کا فیصلہ فرمایا اور جنین کے سلسلے میں غلام کا فیصلہ فرمایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنہا اس کے لئے غرہ کا فیصلہ فرمایا ماں کی دیت واجب ہونے کے باوجود، تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ جنین بدل کے سلسلے میں نفس کا حکم رکھتا ہے، تو بالضرور اس کے وارث بھی ہونگے اور اگر اس پر اعضا جیسا

حکم لگایا جاتا تو دیت میں غرہ شامل ہو جاتا، جیسا کہ اگر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے پھر وہ کاٹنے کی وجہ سے مر جائے تو ہاتھ کی دیت نفس میں داخل ہوتی ہے اور دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنین میں غرہ کو واجب کیا ہے، حمل بن مالک بن نابغۃ نے کہا ہم کیسے اس شخص کی دیت ادا کرے جس نے نہ کھایا ہے نہ پیا ہے نہ چیخا ہے اور نہ ولادت کے وقت رویا ہے اور اس جیسی چیزیں باطل شمار کی جاتی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ گویوں کا شیوہ ہے، اس میں غرہ لازم ہے، یعنی غلام یا باندی؛ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمل بن مالک کی بات کا انکار نہیں کیا کہ یہ جنین کی دیت ہے اور یہ بھی نہیں کہا کہ یہ اس کے عورت پر جنایت کرنے کی وجہ سے واجب ہوا ہے؛ لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ غرۃ اس کے جنین پر جرم کرنے کی وجہ سے واجب ہوا ہے نہ کہ عورت پر جرم کرنے کی وجہ سے اور یہ اسے ایک الگ جان شمار کرنے کے درجے میں ہے جس کے لیے غرۃ کا حکم ہے۔ (شرح مختصر الطحاوی للجصاص ۱۹/۶)

فائدہ:

اس حالت میں جنین کو نفس کے درجہ میں خلاف قیاس نص کی وجہ سے رکھا گیا ہے؛ چنانچہ اس حدیث میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غرۃ کا حکم سنایا تو شوہر حمل بن نابغہ یا بھائی عویم یا دوسرے بھائی علی بن مصروح (علی اختلاف الروایات) نے یہ قیاس پیش کیا کہ جس بچے میں زندگی کے آثار نہیں پائے گئے نہ اس نے

کھایا پیا نہ بولا چالا تو اس کا خون رائیگاں ہونا چاہیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور اسے رد فرمایا۔

فقال حمل ابن النابغة الهذلي: يا رسول الله إنه كيف أغرم من لا شرب ولا أكل ولا نطق ولا استهل فمثل ذلك يطل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما هذا من إخوان الكهان من أجل سجع الذي سجع۔ (مسلم رقم ٤٢٥٤)

ترجمہ: حمل بن نابغہ ہذلی نے کہا: اے اللہ کے رسول میں اس کا تاوان کیسے ادا کروں جس نے نہ کھایا، نہ پیا، نہ بولا، نہ چلایا ایسے بچے کی تو دیت ہی نہیں ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس مسجع عبارت کی وجہ سے یہ شخص کاہنوں کا بھائی ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ويؤخذ من جوابه صلى الله عليه وسلم بهذا أن من تكلم بكلام باطل بالبداهة كمعارضة النص بالعقل لا يلتفت إلى جوابه أو إقامة الدليل بخلافه وإنما سبيل ذلك الإعراض عن دليله أو توجيهه إلى ما يدل على قلة عقله او أدبه۔ (تكمله فتح الملهم ٢/٣٨٣)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ایسی گفتگو کرے جس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہو، مثلاً نص میں عقلی گھوڑا دوڑائے تو اس کا نہ جواب دینے کی زحمت کی جائے، نہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم کی

جائے، بلکہ ایسے شخص کا یہی علاج ہے کہ اس کی دلیل کی طرف توجہ ہی نہ کی جائے یا اسے اس کی قلت فہم وادب پر محمول کرلیا جائے۔

دوسری دلیل:

اسی طرح ظہورِ بعض اعضاء کی صورت میں نا تمام بچے کو فقہاء نے جو ولد قرار دے کر اس پر جملہ احکام لاگو کیے ہیں، اس کا دوسرا مستدل وہ روایت ہے جس میں سقط غضبناک ہو کر جنت کے دروازے پر اڑ جائے گا، یہاں تک کہ وہ اپنے والدین کو جنت میں داخل کرالے، دوسری روایت میں یہ تصریح ہے کہ وہ اپنی نال کے ذریعے اپنے والدین کو جنت میں کھینچ کر داخل کرے گا۔

السقط ليقف محبنطأ على باب الجنه فيقول لا أدخل حتى يدخل أبواي، وفی رواية اخرىٰ السقط ليراغم ربه إذا دخل أبواه النار فيقال أيها السقط المراغم ربه أدخل أبويک الجنة فيجرها بسرره حتى يدخلها الجنة۔ (ابن ماجة)

ترجمہ: جنین جنت کے دروازے پر غصے سے کھڑا ہو جائے گا اور کہے گا کہ میں نہیں داخل ہوں گا یہاں تک کہ میرے والدین داخل ہو جائیں، دوسری روایت میں ہے کہ جنین کے والدین کو جب جہنم میں داخل کیا جانے لگے گا تو وہ اپنے رب سے جھگڑے گا تو آواز آئے گی: اے اپنے رب سے جھگڑنے والے جنین اپنے والدین کو جنت میں داخل کر لے تو وہ اپنی ناف سے ان کو گھسیٹے گا یہاں تک کہ جنت میں داخل کرلے گا۔

علامہ ابن الہمامؒ اول الذکر حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ومن هذا يؤخذ أن السقط له حكم الولد وكذلك هو في الحكم۔ (فتح القدير ١٦١/٥ باب اليمين في العتق والطلاق)

ترجمہ: یہیں سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ جنین کے لیے ولد کا حکم ہے اور یہی حکم بھی ہے۔

کیونکہ راجح قول کے مطابق وہی سقط محشور ہوگا، جس میں کم از کم ظہورِ بعض اعضاء ہو گیا ہو۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ويحشر إن بان بعض خلقه وذكر في المبسوط قولا آخر إن نفخ فيه الروح حشر و إلا فلا۔

ترجمہ: وہ محشور ہوگا اگر اس کے بعض اعضاء ظاہر ہو گئے ہوں گے اور مبسوط میں ایک دوسرا قول مذکور ہے کہ اگر اس میں روح پھونکی گئی تو محشور ہوگا ورنہ نہیں۔

علامہ طحطاویؒ و يحشران بان بعض خلقه کے ذیل میں لکھتے ہیں:

هو الذي يقتضيه مذهب أصحابنا لأنه يثبت له حرمة بني آدم بدليل ثبوت الأحكام الشرعية له كالاستيلاد وانقضاء عدة۔

(حاشيه الطحطاوي على المرافي٨٩٥ط اشرفی ديوبند)

ترجمہ: اور یہی ہمارے اصحاب کے مذہب کا مقتضی ہے کیونکہ اس کے لیے احکام شرعیہ مثلاً ام ولد ہونا اور عدت کا گذر جانا ثابت ہونے کی بنا پر بنی آدم کی حرمت بھی اس کے لئے ثابت ہو جاتی ہے۔

ظہورِ بعض اعضاء کی قید کیوں؟

اور فقہاء نے ظہور بعض اعضاء کی قید اس لیے لگائی ہے کہ جنین پر اگر بعض اعضاء کا ظہور ہو جائے تو اس سے یہ طے ہو جاتا ہے کہ یہ انسانی بچہ ہی ہے اور اس سے حرمت بنی آدم وابستہ ہو جاتی ہے؛ چنانچہ احکام کے اعتبار سے یہ بالکل تام الخلقت کے درجے میں ہوتا ہے اور جس صورت میں بعض اعضاء کا ظہور بھی نہیں ہوتا تو وہاں اس کے ولد ہونے میں ہی شبہ ہوتا ہے، جما ہوا خون، گانٹھ اور غدود وغیرہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور اس کے حتمی طور پر ولد قرار دینے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، نیز عدم ولد ہونا پہلے سے بالیقین ثابت ہے؛ لہٰذا محض احتمال سے اس کی ولدیت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے استبانہ خلق سے پہلے اس پر ولد کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ امام سرخسی علیہ الرحمہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ظہور بعض اعضاء سے پہلے حمل ساقط ہو تو اس کو سخت گرم پانی میں ڈال کر چیک کریں گے اگر وہ پگھل گیا تو وہ ولد نہیں کوئی گانٹھ اور جما ہوا خون تھا، اب عورت نفساء نہیں ہوگی، نہ اس پر معلق بالولادۃ طلاق پڑے گی؛ کیوں کہ یہ ولد ہی نہیں ہے اور اگر وہ نہ پگھلے تو اس کا مطلب ہوگا کہ یہ ولد ہے، اب اس پر ولد کے احکام جاری ہوں گے۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس طرح ولد ہونے، نہ ہونے کا لحاظ نہیں ہوگا، یہ تو خالص طبی چیز ہوگی۔ احناف نے اسی لیے مزاجِ شریعت سے ہم آہنگ رائے اختیار کی ہے، یعنی ظاہری علامت وآثار پر حکم کا مدار رکھا ہے، اب اگر کوئی عضو ظاہر ہو گیا تو اس کا مطلب بالیقین

ثابت ہو گیا کہ یہ ولد ہے، اس کے ساتھ حرمت بنی آدم وابستہ ہے، اور اگر ظہورِ عضو نہیں ہوا تو اب شک ہے، والیقین لا یزول بالشک؛ لہٰذا اس پر ولد کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

مبسوط میں ہے:

فَأَمَّا إِذَا أَسْقَطَتْ سِقْطًا، فَإِنْ كَانَ قَدْ اسْتَبَانَ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ فَهِيَ نَفَسَاءُ فِيمَا تَرَى مِنَ الدَّمِ بَعْدَ ذَلِكَ، وَإِنْ لَمْ يَسْتَبِنْ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ فَلَا نِفَاسَ لَهَا، وَلَكِنْ إِنْ أَمْكَنَ جَعْلُ الْمَرْئِي مِنَ الدَّمِ حَيْضًا يُجْعَلُ حَيْضًا، وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْ بِأَنْ لَمْ يَتَقَدَّمْهُ طُهْرٌ تَامٌّ فَهُوَ اسْتِحَاضَةٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ - رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى - يَمْتَحِنُ السِّقْطَ بِالْمَاءِ الْحَارِ، فَإِنْ ذَابَ فِيهِ فَلَيْسَ بِوَلَدٍ فَلَا نِفَاسَ لَهَا، وَإِنْ لَمْ يَذُبْ فَهُوَ وَلَدٌ وَتَصِيرُ بِهِ نُفَسَاءَ، وَهَذَا مِنْ بَابِ الطِّبِّ، لَيْسَ مِنَ الْفِقْهِ فِي شَيْءٍ فَلَمْ نَقُلْ بِهِ لِهَذَا، وَلَكِنَّ حَكَمْنَا السِّيمَا وَالْعَلَامَةَ، فَإِنْ ظَهَرَ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ آثَارِ النُّفُوسِ فَهُوَ وَلَدٌ وَالنِّفَاسُ هُوَ الدَّمُ الْخَارِجُ بِعَقِبِ خُرُوجِ الْوَلَدِ، وَإِنْ لَمْ يَسْتَبِنْ فِيهِ شَيْءٍ مِنْ الْآثَارِ فَهَذِهِ عَلَقَةٌ أَوْ مُضْغَةٌ فَلَمْ يَكُنْ لِلدَّمِ الْمَرْئِي بَعْدَهَا حُكْمُ النفاس۔ (المبسوط للسرخسي ۲۱۳/۳)

ترجمہ: جب عورت نے جنین کو ساقط کیا پھر اگر اس کا کوئی عضو ظاہر ہو جائے تو اس کے بعد خون دیکھنے کی وجہ سے وہ نفساء ہوگی اور اگر کوئی عضو ظاہر نہ ہو تو اس کے لیے نفاس کا حکم نہ ہوگا، لیکن اگر آنے والے خون کو حیض شمار کرنا ممکن ہو تو حیض شمار کیا جائے گا اور اگر ممکن نہ ہو اس طور پر کہ اس سے پہلے مکمل طہر نہ گزرا ہو تو استحاضہ ہوگا، اور امام شافعی رحمۃ اللہ

علیہ نے فرمایا جنین کو گرم پانی میں ڈال کر چیک کیا جائے گا اس طور پر کہ اگر اس میں پگھل جائے تو ولد نہیں ہوگا اور اس کے لیے نفاس کا حکم نہ ہوگا، اور اگر نہ گھلے تو وہ بچہ ہوگا اور وہ اس کی وجہ سے نفساء ہوگی، اور یہ طب کے باب میں سے ہے، فقہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسی وجہ سے ہم اس کے قائل نہیں؛ لیکن ہم نے ظاہری علامات وآثار پر حکم کا مدار رکھا ہے، چنانچہ اگر اس میں نفوس کے کوئی آثار ظاہر ہو جائیں تو وہ بچہ ہوگا، اور نفاس وہ ایسا خون ہے جو بچے کی پیدائش کے بعد نکلتا ہے اور اگر اس کے آثار میں سے کچھ بھی ظاہر نہ ہو تو یہ دم بستہ ہوگا یا گوشت کا ٹکڑا ہوگا اور اس کے بعد دیکھے جانے والے خون کے لیے نفاس کا حکم نہ ہوگا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وَكُلُّ سَقْطٍ لَمْ يَسْتَبِنْ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ لَا تَنْقَضِي بِهِ الْعِدَّةُ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ حُكْمُ الْوَلَدِ بَلْ هُوَ كَالدَّمِ الْمُتَجَمِّدِ وَ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ - رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى - يُمْتَحَنُ بِالْمَاءِ الْحَارِ فَإِذَا ذَابَ فِيهِ فَهُوَ دَمٌ وَإِنْ لَمْ يَذُبْ فَهُوَ وَلَدٌ وَلَكِنَّ هَذَا مِنْ بَابِ الطِّبِّ لَا مِنْ بَابِ الْفِقْهِ۔

(المبسوط للسرخسی ۶/۲۶)

ترجمہ: اور ہر وہ جنین جس کی خلقت میں سے کچھ بھی ظاہر نہ ہو تو اس کے ذریعے عورت کی عدت مکمل نہیں ہوگی کیونکہ اس کے لیے بچے کا حکم نہیں ہے بلکہ وہ جمے ہوئے خون کی طرح ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

اسے گرم پانی سے آزمایا جائے گا اگر وہ پگھل جائے تو وہ خون ہے اور اگر نہ گھلے تو وہ بچہ ہے، لیکن یہ طب کے باب میں سے ہے نہ کہ فقہ کے۔

کبار فقہاء کی تصریحات

ظہورِ بعض اعضاء سے پہلے ولد ہونے میں شک ہے۔ گانٹھ، غدود، جما ہوا خون یا کسی اور فاسد مادے کا احتمال ہے، اس لیے اس پر ولد کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔ اس کی تصریح ہمارے بہت سے کبار فقہاء نے کی ہے۔

امام جصاص رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قال أبو جعفر: ولا تكون الجارية بما ولدت من مولاها أم ولد حتى تلد ما يستبين خلقه، أو بعض خلقه وذلك أنه إذا لم يستبن خلقه، فجائز أن يكون دما مجتمعا، أو داء، فلا نجعلها أم ولد به فإذا استبان شيء من خلقه علمنا أنه كان ولدا۔

(شرح مختصر الطحاوي للجصاص ٣١٤/٨)

ترجمہ: امام ابوجعفر فرماتے ہیں: باندی بچہ جننے کی وجہ سے اس وقت تک ام ولد نہیں بنے گی جب تک کی اس بچے کی مکمل یا بعض خلقت نہ ظاہر ہو چکی ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ دم بستہ ہو یا کوئی بیماری ہو؛ لہٰذا ہم اس کی وجہ سے اسے ام ولد نہیں قرار دے سکتے، لیکن جب اس کی خلقت ظاہر ہو جائے تو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ولد ہی ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

وفي المنتقى: قال أبو يوسف رحمه الله: وإذا أقر الرجل أن جاريته هذه قد أسقطت منه، فهذا إقرار أنها أم ولده، قال: إنما يقع اسم السقط على ما تبين خلقه، أما إذا لم يتبين خلقه فلا يسمى سقطاً، لأنه لا يدرى ما هو۔ (المحيط البرهاني في الفقه النعماني ٧٦/٤)

ترجمہ: منتقی میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ جب آدمی نے اقرار کیا کہ اس کی اس باندی نے اس کے بچے کو ساقط کیا تو یہ اس بات کا اقرار ہوگا کہ یہ عورت اس کی ام ولد ہے، مصنف فرماتے ہیں: سقط کا اطلاق اس وقت ہوگا، جبکہ اس کے اعضا ظاہر ہو جائیں؛ بہر حال جب اس کے اعضاء ظاہر نہ ہوں تو سقط کا اطلاق اس پر درست نہیں؛ اس لیے کہ معلوم نہیں وہ کیا چیز ہے؟

تحفۃ الفقہاء میں ہے:

ثمَّ الْوَلَد سَوَاء كَانَ مَيْتًا أَو حَيا أو سقطا قد استبان خلقه أو بعض خلقه إذا أقربه فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ الْكَامِلِ الْحَي في صيرورة الْجَارِيَة أم ولد لَهُ لِأَنَ الْوَلَدَ الْمَيِّتَ يُسمى ولدا لَهُ وتعلق بِهِ أَحْكَامٌ كَثِيرَة وَإن لم يستبن خلقه و ادعاه المولى لا تكون أم ولد له لأن هَذَا لَا يُسمى ولدا ويجوز أَن يكون لَحْمًا أَو دَمًا عبيطا۔

(تحفة الفقهاء ٢٧٣/٢)

ترجمہ: پھر بچہ، خواہ مردہ ہو یا زندہ، یا جنین جس کے مکمل یا بعض اعضا ظاہر ہو چکے ہوں، جب آدمی نے اسے اپنا بچہ

ہونے کا اقرار کرلیا تو وہ باندی کے ام ولد ہونے میں ولد کامل اور زندہ بچے کے درجے میں ہے؛ اس لیے کہ مردہ بچے پر بھی ولد کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے بہت سے احکام متعلق ہوتے ہیں اور اگر اس کے اعضا ظاہر نہ ہو اور مولیٰ اس کا دعوی کرے، تو ام ولد نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ اس کو ولد ہی نہیں کہا جاتا ہے، ممکن ہے کہ یہ گوشت ہو یا دم بستہ۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والسقط إذا استبان بعض خلقه فهو مثل الولد التام يتعلق به أحكام الولادة من انقضاء العدة، وصيرورة المرأة نفساء لحصول العلم بكونه ولدا مخلوقا عن الذكر والأنثى بخلاف ما إذا لم يكن استبان من خلقه شيء لأنا لا ندري ذاك هو المخلوق من مائهما، أو دم جامد، أو شيء من الأخلاط الردية استحال إلى صورة لحم، فلا يتعلق به شيء من أحكام الولادة۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ٤٣/١)

ترجمہ: جب جنین کے بعض اعضاء ظاہر ہو جائیں تو وہ مکمل ولد کی طرح ہے، اس سے ولادت کے احکام متعلق ہوں گے جیسے عدت کا گذرنا عورت کا نفاس والی ہونا، یہ معلوم ہونے کی وجہ سے کہ وہ ولد ہے جو نر و مادہ کے اختلاط سے پیدا ہوا ہے، برخلاف اس صورت کہ جب اس کا کوئی بھی عضو ظاہر نہ ہو؛ اس لئے کہ معلوم نہیں کہ وہ ان دونوں کے پانی سے پیدا ہوا ولد ہے یا جما ہوا خون ہے یا کسی گندی

چیز کی آمیزش سے گوشت کی صورت اختیار کر لیا ہے تو
ولادت کا کوئی بھی حکم اس سے متعلق نہیں ہوگا۔

الاختیار میں ہے:

وَإِنْ لَمْ يَسْتَبِنْ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ وَأَلْقَتْهُ مُضْغَةً أَوْ عَلَقَةً فَادَّعَاهُ لَمْ تَصِرْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ رَوَاهُ الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ دَمًا أَوْ لَحْمًا فَلَا يَثْبُتُ الاسْتِيلَادُ بِالشَّكِ۔

(الاختيار لتعليل المختار ۳۱/۴)

ترجمہ: اگر کوئی بھی عضو ظاہر نہ ہوا اور وہ اس کو گوشت کے ٹکڑے یا دم بستہ کی حالت میں گرائی ہو پھر مولی اس بچے کا دعوی کرے تو وہ اس کی ام ولد نہیں ہوگی، اس کو حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے؛ اس لیے کہ اس میں احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے خون ہو یا گوشت ہو تو شک سے ولادت کے احکام ثابت نہیں ہوتے۔

صاحب ہدایہ اپنے مخصوص انداز میں اس بات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والجنين الذي قد استبان بعض خلقه بمنزلة الجنين التام في جميع هذه الأحكام" لإطلاق ما روينا، ولأنه ولد في حق أمومية الولد وانقضاء العدة والنفاس وغير ذلك، فكذا في حق هذا الحكم، ولأن بهذا القدر يتميز عن العلقة والدم فكان نفسا۔ (هدايه ٦٠٠/٤)

ترجمہ: جنین کہ جس کے بعض اعضاء ظاہر ہو گئے ہوں وہ جنین تام الخلقت کے درجے میں ہوگا ان تمام احکام میں،

ہماری بیان کردہ روایت کے مطلق ہونے کی وجہ سے اور اس لیے کہ وہ ام ولد ہونے، عدت کے گذرنے اور نفاس وغیرہ کے حق میں بچہ ہے، تو اسی طرح اس حکم میں بھی ہوگا، اور اس لیے کہ اتنی مقدار سے وہ علقہ اور دم سے ممتاز ہو جاتا ہے ؛لہٰذا وہ ایک نفس انسانی کے درجہ میں ہوگا۔

نقصانِ خلقت ولد ہونے کے منافی نہیں:

اور نقصان خلقت یہ اس کے ولد ہونے کے منافی نہیں ہوگی، بہت سے بچے ناقص الخلقت ہی پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی حادثہ کا شکار ہو جائے اس کے دونوں ہاتھ دونوں پیر کٹ جائیں چہرہ اور دیگر اعضاء بگڑ جائیں تو بھی یہ شخص انسان ہے، انسانی شناخت اور مخصوص ڈھانچہ اسے انسان قرار دینے کے لیے کافی ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(والسقط) ش: بالحركات الثلاث في السين م: (الذي استبان) ش: أي ظهر م: (بعض خلقه ولد ش وارتفاع ولد على أنه خبر للمبتدأ، أعني قوله -والسقط- وبعض خلقه كالأصبع والشعر والظفر م: (حتى تصير المرأة به) ش: أي بالسقط م: (نفساء وتصير الأمة أم ولد به وكذا العدة تنقضي به ش: أما في أمومية الولد إذا وجد الدعوة من المولى وأما انقضاء العدة ففي تعليق الطلاق بالولادة لأنه ولد ولو كان ناقص الخلقة، ونقصان الخلقة لا يمنع ثبوت أحكام الولد كما لو ولدت ولداً ليس له بعض أطرافه۔

(البناية شرح الهداية: ٦٨٩/١)

ترجمہ: السقط، سین میں تینوں حرکتیں پڑھی جاسکتی ہیں، وہ سقط جس کے بعض اعضاء مثلاً انگلی، بال ہڈیاں وغیرہ بن چکے ہوں بحکم ولد ہے، جس کی وجہ سے عورت نفساء میں شمار ہوتی ہے اور ام ولد بن جاتی ہے اور اس کی عدت بھی مکمل ہو جاتی ہے البتہ ام ولد اس صورت میں ہوگی جبکہ مولی بچے کا دعوی کرے، اسی طرح عدت اس صورت میں مکمل ہوگی، جبکہ طلاق کو ولادت پر معلق کیا ہو؛ اس لیے کہ یہ سقط بحکم ولد ہے، گرچہ ناقص الخلقت ہے؛ کیونکہ ناقص الخلقت ہونا احکام ولد کے ثبوت سے مانع نہیں ہے، جیسا کہ اس صورت میں مانع نہیں ہے جب عورت ایسا بچہ جنے جس کے ہاتھ یا پیر نہ ہو۔

اصل کتب مذہب کی تعبیر:

یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس کی بنیاد پر ہمارے فقہاء نے ظہور بعض اعضاء کی صورت میں اسے حتمی طور پر ولد مان کر اس پر احکام کی تفریع کی ہے، اس بحث سے فقہاء نے باب الحيض والنفاس، كتاب الجنائز، باب نكاح الرقيق، باب الرضاع، باب الاستيلاد، باب العدة، باب ثبوت النسب، كتاب الديات، كتاب الحظر والاباحة میں تعرض کیا ہے۔ تمام ابواب کے متعلقہ بحث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اصل تعبیر جو ائمہ مذہب اور متقدمین فقہاء سے منقول ہے اس میں "استبانه خلق "یا "استبانه شی من الخلق" کو معیار بنایا گیا ہے، کسی مدت کی تحدید نہیں کی گئی۔

کتاب الاصل کی روایت:

چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاصل میں مذکور ہے:

قلت أَرَأَيْت السقط إذا استبان خلقه هل يكون بِمَنْزِلَةِ الْوَلَد وَتَكُونَ الْمَرْأَةُ فِيهِ بِمَنْزِلَةِ النُّفَسَاء؟ قَالَ نعم۔

(الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني١/٣٤٠)

ترجمہ: میں نے کہا کہ کیا اگر سقط کے بعض اعضاء ظاہر ہوجائیں تو وہ ولد کے حکم میں ہوگا، اور اس کی وجہ سے عورت نفساء ہوجائے گی تو فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہوگا۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے:

ولو قال رجل لامرأته: إذا ولدت فأنت طالق، فأسقطت سقطاً، قد استبان بعض خلقه أو تَمَّ خَلْقُه كان هذا ولداً و كان الطلاق واقعاً به عليها. ألا ترى أنها لو ولدت بعد الطلاق انقضت به العدة لأنه ولد، وأن أمة لو ولدت هذا من سيدها كانت أم ولد. وإن لم يستبن خلقه لم يقع به الطلاق، ولم تنقض به عدة، ولم تكن أمه أم ولد له۔ (الأصل للشيباني ط قطر ٤/٤٨١)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے بچہ جنا تو تجھے طلاق ہے اور اس نے ایسا حمل ساقط کیا جس کے بعض اعضاء ظاہر ہو چکے تھے یا اس کے مکمل اعضاء ظاہر ہو گئے تھے تو یہ ولد شمار ہوگا اور عورت پر طلاق بھی واقع ہوگی، کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر وہ طلاق کے بعد بچہ جنتی تو اس کے ذریعے سے اس کی عدت پوری ہوجاتی؟ اس لیے کہ وہ

بچہ ہے اور اگر باندی اس بچے کو اپنے آقا سے جنتی تو وہ ام ولد بن جاتی، اگر استبانہ خلق نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اس کے ذریعے سے عدت بھی نہیں گذرے گی اور نہ وہ ام ولد ہوگی۔

جامع کبیر کی روایت:

جامع کبیر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے باب من الجنین وغیرہ میں ایک مسئلہ ذکر فرمایا ہے:

رجل ضرب بطن امراة فالقت جنينا ميتا قد استبان من خلقه ظفر او شعر او غير ذلك، ثم ماتت الأم فألقت بعد موتها جنينا آخر فعلى الضارب في الجنين الأول غرة يرثها ورثة الجنين الأول الأم فيهم۔ (الجامع الكبير للشيباني ص ٣٦٩ باب من الجنين تحقيق الأفغاني ط لجنة إحياء المعارف)

ترجمہ: ایک آدمی نے کسی عورت کے پیٹ پر مارا پھر اس نے مردہ بچے کو جنا اس حال میں کہ اس کے ناخن یا بال وغیرہ ظاہر ہو چکے تھے، پھر ماں مرگئی، مرنے کے بعد اس نے دوسرے بچے کو جنا تو ضارب پر پہلے جنین کے سلسلہ میں ایک غرہ واجب ہوگا، جس کے وارث پہلے جنین کے ورثہ ہوں گے ماں بھی اس میں شمار ہوگی۔

اس میں بھی ظہور بعض اعضاء کو ہی معیار قرار دیا ہے۔

کتاب الآثار کی روایت:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کتاب الآثار میں لکھتے ہیں:

قال محمد أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم قال إذا طلق الرجل امرأته ثم أسقطت فقد انقضت عدتها، قال محمد و به ناخذ ويكون السقط عندنا سقطاحتي يستبين شئ من خلقه شعر أو ظفر أو غير ذلک فإذا وضعت شيئا لم يستبن خلقه لم تنقض بذلك العدة، وهو قول أبي حنيفة۔ (كتاب الآثار للشيباني ٤٩٨/٢ باب عدة المطلقه الحامل، رقم ٤٨٥)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے پھر اس کا نہ تمام بچہ پیدا ہو جائے تو اس کی عدت ختم ہو گئی، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں اور ناتمام بچہ ہمارے نزدیک اسی صورت میں بچہ کہلائے گا جب اس کا کوئی عضو ظاہر ہو جائے، مثلاً بال، یا ناخن وغیرہ، اور جب اس کے رحم سے ایسی چیز گرے جس کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو تو اس سے عدت ختم نہیں ہوگی، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

چونکہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے منقول اس اثر میں سقط مطلق تھا جس میں مستبین اور غیر مستبین دونوں کا احتمال ہو سکتا تھا؛ اس لئے امام محمد علیہ الرحمۃ نے اس کی وضاحت فرمائی اور اس کا اصول و قاعدہ و معیار ذکر فرمایا۔

اسی کتاب الآثار میں دوسری جگہ ذکر کرتے ہیں:

قال محمد أخبرنا أبو حنيفة قال حدثنا حماد عن إبراهيم في السقط من الأمة للسيدأنه قال ما كان لا يستبين له إصبع أو عين أو فم أنها لا تعتق ولا تكون أم ولد، قال محمد وبه ناخذ إذا استبان شيئ من خلقه كانت به أم ولد وإذا لم يستبن شيئ من خلقه لم تكن به أم ولد وهو قول أبي حنيفة۔

(كتاب الآثار للشيباني ٢/٥٣٠ باب عدة ام الولد رقم ٥٢٣)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعیؒ باندی کے جنین کے متعلق فرماتے ہیں اگر اس کی انگلی یا آنکھ یا منہ نہ ظاہر ہو تو باندی آزاد نہ ہوگی اور نہ ہی ام ولد ہوگی، امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں کہ جب اس کی خلقت ظاہر ہو جائے تبھی وہ ام ولد بنے گی، اور کچھ ظاہر نہ ہو تو وہ ام ولد بھی نہیں بنے گی، اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

اسی طرح امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی سند سے یہی تفصیل منقول ہے:

قَالَ: حَدَّثَنَا يُوسُفُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، أَنَّهُ قَالَ فِي السَّقْطِ: إِذَا اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ عُتِقَتِ الْأَمَةُ وَانْقَضَتْ بِهِ الْعِدَّةُ۔ (الآثار لأبي يوسف رقم ٦٥٥ ص ١٤٤)

ترجمہ: راوی کہتے ہیں کہ ہم سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد از ابوحنیفہ از حماد از ابراہیم بیان کیا کہ انہوں نے جنین کے بارے میں فرمایا: جب اس کی بعض

خلقت ظاہر ہو جائے تو باندی آزاد ہو جائے گی اور اس سے عدت بھی گذر جائے گی۔

سقط کے ولد ہونے پر آثار صحابہ وتابعین:

ہمارے فقہاء نے ظہورِ بعض اعضاء کی صورت میں جو سقط کو ولد کے حکم میں قرار دے کر احکام کی تفریع کی ہے یہ کوئی قیاسی چیز نہیں ہے، بلکہ صحابہ وتابعین کے آثار سے صراحۃ ثابت ہے:

(١) عن عكرمة أن عمر ابن الخطاب قال الأمة يعتقها ولدها و إن كان سقطا۔ (مصنف عبد الرزاق رقم ١٣٢٤٣ باب ما يعتقها السقط)

ترجمہ: حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: باندی کو اس کا بچہ آزاد کر دیتا ہے اگرچہ سقط ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر میں سقط مطلق ہے مستبین کی قید نہیں ہے لیکن کبار تابعین نے اس اطلاق کی تقیید کی ہے حسن بصری، ابراہیم نخعی، امام زہری، عامر بن شرحبیل الشعبی جیسے اکابر تابعین نے اس سقط سے سقط مستبین ہی مراد لیا ہے اور احکام کے لیے اسے ہی معیار قرار دیا ہے اور غیر مستبین ولد کے حکم میں نہیں ہے اور احکام میں اس کا اعتبار نہیں ہے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے:

(٢) عن مغيرة عن إبراهيم قال السقط بينا مضغة كان او علقة۔ (رقم ١٣٢٤٥)

ترجمہ: حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سقط سے مراد

یہ ہے کہ کوئی عضو بن گیا ہو، خواہ مضغہ ہو یا علقہ۔

(۳) عن هشام عن الحسن قال إذا كان سقطا بينا۔ (١٣٢٤٦)

ترجمہ: حضرت ہشام رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کہ سقط بین ہو۔

(۴) عن معمر عن الزهري قال إذا أسقطت سقطا بينا فهى من أمهات الأولاد وإن لم يكن بينا فهى امة۔

(١٣٢٤٧ المصنف للامام عبد الرزاق ٢٩٥/٧ - ٢٩٦)

ترجمہ: حضرت معمر حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: باندی جب ایسا حمل ساقط کرے جس کا کوئی عضو بن چکا ہو تو وہ ام ولد میں سے ہے اور اگر ظاہر نہ ہو تو وہ باندی ہے۔

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے چند آثار ملاحظہ ہوں:

(۵) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا سُفْيَانَ، عَنْ مُغِيرَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ السَّقْطِ، فَقَالَ: تَنْقَضِي بِهِ الْعِدَّةُ۔ (١٩٢٧٥)

ترجمہ: حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم نخعی سے سقط کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے ذریعے عدت مکمل ہو جائے گی۔

(۶) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا وَكِيعٌ، قَالَ: نا حَسَنَ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عَامِرٍ قَالَ: السَّقْطُ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ التَّامَ۔ (١٩٢٧٦)

ترجمہ: امام شعبیؒ جنین کامل بچے کے حکم میں ہے۔

(۷) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نَا عَبْدُ الْأَعْلَى، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ

الْحَسَنِ، وَمُحَمَّدٍ، قَالَا: إِنْ أَسْقَطَتِ الْحُرَّةُ فَقَدِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا۔ (۱۹۲۷)

ترجمہ: اگر حرہ حمل ساقط کردے تو اس کی عدت مکمل ہو جائے گی۔

(۸) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ شَقِيقٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ قَالَ: نا أَبُو مُبَارَكٍ، قَالَ: سَمِعْتُ شُرَيْحًا يَقُولُ: إِذَا أَسْقَطَتِ الْمَرْأَةُ سِقْطًا، تَمَّ عِدَّةُ الْحُرَّةِ وَأُعْتِقَتِ السَّرِيَّةُ۔

ترجمہ: جب عورت جنین ساقط کردے تو عدت پوری ہو جائے گی اور باندی آزاد ہو جائے گی۔

(۹) حَدَّثَنَا أَبُو بكرٍ قَالَ نا إِسْحَاقُ الْأَزْرَقُ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ عَنْ حَجَّاجٍ، عَنِ الْحَارِثِ، أَنَّهُ قَالَ فِي الْمُطَلَّقَةِ، وَالْمُتَوَفَّى عَنْهَا، إِذَا رَمَتْ بِوَلَدِهَا قَبْلَ أَنْ يَتِمَّ خَلْقُهُ، قَالَ: إِذَا اسْتَبَانَ مِنْهُ شَيْءٌ حَلَّتْ لِلزَّوْجِ، قَالَ: وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ: حَتَّى يَسْتَبِينَ وَيَعْرِفَ أَنَّهُ وَلَدُهُ۔ (۱۹۲۷۹)

ترجمہ: اگر اس کی بعض خلقت ظاہر ہو جائے تو وہ شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی، اور ابن شبرمہ فرماتے ہیں: یہاں تک کہ اس کی خلقت ظاہر ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ وہ بچہ ہی ہے۔

(۱۰) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: نَا ابْنُ أَبِي عَدِي، عَنْ أَشْعَثَ، قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ يَقُولُ: إِذَا أَلْقَتْهُ عَلَقَةً أَوْ مُضْغَةً بَعْدَ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّهُ حَمْلَ، فَفِيهِ الْغُرَّةُ، وَتَنْقَضِي بِهِ الْعِدَّةُ، وَإِنْ كَانَتْ أَمَّ وَلَدٍ أُعْتِقَتْ۔ (مصنف ابن أبي شيبة ۱۹۸/٤)

ترجمہ: جب عورت علقہ یا مضغہ گرائے بشرطیکہ اس کا

حمل ہونا معلوم ہوتو اس میں ایک غرہ واجب ہے اور اس کے ذریعے عدت بھی گذر جائے گی اور اگر عورت ام ولد تھی تو آزاد ہوجائے گی۔

انہیں آثار وروایات کی روشنی میں ہمارے فقہائے احناف نے ظہورِ بعض اعضا ہی کو احکام کے لیے مدار قرار دیا ہے، مذہبِ احناف کے شارح وترجمان امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی ائمہ مذہب کے حوالہ سے یہی تفصیل نقل فرمائی ہے:

قال أصحابنا لو أسقطت مضغة أو علقة لم تنقض بها العدة وإن استبان خلقها أو بعض خلقه انقضت العدة به و روى عن إبراهيم مثل ذلک ـــــ وقال ابن القاسم عن مالک ما أثبته النساء من مضغة أو علقة أو شيئ تستيقن أنه ولد فإنه تنقضى به العدة وتكون أم ولد۔ (مختصر اختلاف العلماء للطحاوى ۳۹۲/۲-۳۹۳ رقم ۸۹۷، فى انقضاء العدة بالسقط)

ترجمہ: ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ اگر عورت مضغہ یا علقہ جنے تو اس کے ذریعے سے عدت مکمل نہیں ہوگی اور اگر استبانہ تامہ یا ظہورِ بعض اعضاء ہوتو اس کے ذریعے عدت مکمل ہوجائے گی؛ نیز ابراہیم نخعی سے اسی طرح روایت منقول ہے، علامہ ابن قاسم نے امام مالک کے ذریعے سے یہ روایت بیان کیا ہے کہ عورتیں جس کو مضغہ یا علقہ یا کوئی ایسی چیز ثابت کریں جس کا ان کو یقین ہو کہ وہ لڑکا ہے تو اس کے ذریعے سے عدت مکمل ہوجائے گی اور وہ ام ولد کہلائے گی۔

خلاصہ کلام:

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اصل کتب مذہب میں ولد قرار دینے اور ولد سے متعلق احکام ثابت کرنے کے لیے استبانہ بعض الخلق اور ظہورِ بعض اعضاء کو ہی معیار قرار دیا گیا ہے۔ تلاشِ بسیار کے باوجود ان اصل مآخذ ومصادر میں ایک جزیہ بھی ایسا نہیں ملا جس میں چار ماہ ایک سو بیس دن یا نفخِ روح کو مذکورہ احکام کے لیے صراحتاً معیار بنایا گیا ہو۔

ایک سو بیس دن والے قول کی بنیاد:

متعلقہ ابحاث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سو بیس دن والے قول کا اصل ماخذ وہ مسئلہ ہے جو امام محمد رحمہ اللہ سے ان کے شاگرد ہشام نے نقل کیا ہے جسے محیط برہانی میں منتقی کے حوالے سے ذکر کیا ہے:

في المنتقى: قال هشام سألت محمداً رحمه الله: رجل تزوج امرأة لم يكن لها زوج قبل ذلك وزنى بها فجاءت بولد لأم لأقل من ستة أشهر من يوم تزوجها، قال: النكاح فاسد في قولي وقول أبي يوسف رحمه الله، لأنه تزوجها وهي حامل، وإن جاءت بسقط استبان خلقه أو بعض خلقه لأربعة أشهر منذ تزوجها أو أكثر، النكاح جائز، وإن جاءت به لأقل من ذلك، فالنكاح فاسد، قال: لأنه بلغنا أنه يكون نطفة أربعين يوماً ثم علقة أربعين يوماً ثم مضغة أربعين يوماً، فإذا أسقطت لأربعة أشهر منذ تزوجها أو أكثر من ذلك فهو ابن الزوج والنكاح جائز، قال محمد رحمه الله: والأربعة الأشهر وجبت عندي في السقط الذي استبان خلقه مثل

السنة الأشهر في الولد التام۔

ترجمہ: منتقی میں ہے ہشام کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد رحمہ اللہ سے پوچھا ایک آدمی نے شادی کیا ایک ایسی عورت سے کہ اس کا اس سے پہلے کوئی شوہر نہیں تھا اور اس سے کوئی زنا کر چکا تھا پھر اس عورت نے شادی کے دن سے چھ مہینے پہلے بچہ جنا تو امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک نکاح فاسد ہے اور یہی قول امام ابو یوسف کا ہے؛ اس لیے کہ اس نے اس عورت سے شادی کیا جبکہ وہ حاملہ تھی اور اگر اس عورت نے شادی کے دن سے چار ماہ یا اس سے زائد کی مدت میں ایسے بچہ کو جنا جس کے اعضاء ظاہر ہو گئے تھے یا بعض اعضاء ظاہر ہو گئے تھے تو یہ نکاح جائز ہے، اور اگر اس سے کم کی مدت میں ساقط کی تو نکاح فاسد ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں اس لیے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ۴۰ر دن نطفہ رہتا ہے پھر ۴۰ر دن علقہ بن جاتا ہے پھر ۴۰ر دن مضغۃ ہوتا ہے پس جب اس نے چار ماہ یا اس سے زائد کی مدت میں ساقط کر دیا ہے شادی کے دن سے تو وہ ابن زوج ہے اور نکاح جائز ہے امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں چار مہینہ میرے نزدیک اس جنین میں واجب ہے جس کے اعضاء ظاہر ہو گئے ہوں، جیسے چھ ماہ ولد تام کے لئے ضروری ہے۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ چوں کہ نطفہ علقہ اور مضغہ کی مدت بنص حدیث ایک سو بیس دن ہے اس لیے ظہور بعض اعضاء کی صورت میں اگر نکاح

کے وقت سے چار ماہ کے اندر اسقاط ہو گیا ہے تو یہ دلیل ہے کہ بوقت نکاح یہ عورت حاملہ تھی اور حاملہ سے نکاح حضرات صاحبین کے نزدیک درست نہیں ہے؛ چنانچہ اسی مسئلہ کے مفہوم کو بعد کے فقہاء نے ایک اصول اور قاعدے کے طور پر ذکر کیا ہے، الواقعات الحسامیۃ الباب الثالث من النکاح میں روایت ہشام عن محمد کو ذکر کرنے کے بعد علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لأن خلقه لا يستبين إلافي ماة وعشرين يوما۔

(المحيط البرهاني ٣٧٥/٥ الفصل العشرون)

ترجمہ: اس لئے کہ خلقت ایک سو بیس دن میں ہی ظاہر ہوتی ہے۔

بلکہ علامہ زیلعی نے الواقعات ہی کے حوالہ سے جو ذکر کیا ہے وہ اور زیادہ صریح ہے:

لَا تَسْتَبِينُ الْخِلْقَةُ فِي أَقَلَّ مِنْ مِائَةٍ وَعِشْرِينَ يَوْمًا، لِأَنَّ أَرْبَعِينَ يَوْمًا مُدَّةُ النُّطْفَةِ وَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا مُدَّةُ الْعَلَقَةِ وَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا مُدَّةُ الْمُضْغَةِ كَذَا فِي الْوَاقِعَاتِ۔ (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ٦٧/١)

ترجمہ: ایک سو بیس دن سے کم میں خلقت ظاہر نہیں ہوتی، کیونکہ چالیس دن تو نطفہ کی مدت ہے اور چالیس دن دم بستہ کی اور چالیس دن گوشت کے لوتھڑے کی مدت ہے، جیسا کہ واقعات میں مذکور ہے۔

فتاوی الصدر الشہید میں علامت نون کے ساتھ روایت ہشام عن محمد والا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے:

ن: تزوج امرأة فجاءت بسقط استبان خلقه إن جاءت به

لأربعة أشهر جاز النكاح وإن جاءت به لأربعة أشهر إلا يوما لم يجز النكاح إن في الوجه الأول الولد من الزوج الثانى وفى الوجه الثانى من الأول لأن خلقه لا يستبين إلا في ماة وعشرين يوما أربعون نطفة وأربعون علقة وأربعون مضغة۔ (فتاوى الصدر الشهيد مخطوطه كتاب النكاح، الباب الرابع مسائل النسب)

ترجمہ: مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا، عورت نے ایک سقط جنا جسکی خلقت ظاہر ہوچکی تھی، اگر اس نے چار مہینے پر جنا ہے تب تو نکاح درست ہے، لیکن اگر چار مہینے سے ایک دن پہلے بھی جن دیا تو نکاح درست نہ ہوگا، کیونکہ پہلی صورت میں بچہ زوج ثانی کا ہی شمار ہوگا، لیکن دوسری صورت میں بچہ زوج اول کا ہوگا کیونکہ بچہ کی خلقت ایک سو بیس دن میں ہی مکمل ہوتی ہے، چالیس دن نطفہ ہوتا ہے، پھر چالیس دن جما ہوا خون اور پھر چالیس دن گوشت کا لوتھڑا۔

اور علامت نون کے بارے میں خود صاحب کتاب نے مقدمہ میں صراحت کی ہے کہ اس سے مراد علامہ سمرقندی کی النوازل ہے:

قال الشيخ الإمام الأجل الأستاذ الشهيد حسام الدين برهان الإسلام مع زيادة أبواب إن مست الحاجة مثلا بمسائل الباب من النوازل فأسردها سردا معلمة بعلامة النون۔

(فتاوى الصدر الشهيد مخطوطه ص١)

ترجمہ: شیخ حسام الدین رح فرماتے ہیں: ان ابواب

کے علاوہ اگر کبھی نوازل کے مسائل بیان کرنے کی ضرورت
محسوس ہوئی تو انھیں نون کی علامت لگا کر بیان کردوں گا۔

اور فتاوی نوازل میں علامہ سمرقندی نے کتاب الرضاع کے اندر یہ بات ذکر کی ہے آپ لکھتے ہیں:

إذا ظهر حبل المرضعة وخافت على ولدها الهلاك وزوجها معسر يباح لها أن تسقط قبل أن يخلق عضو لأنه ليس بآدمي و أقل مدته ماة وعشرون يوما على ما قالوا۔

(فتاوى النوازل للسمر قندى، كتاب الرضاع ص ١٩٢)

ترجمہ: جب دودھ پلانے والی عورت کا حمل ظاہر ہو جائے اور اسے بچہ کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو اور اسکا شوہر بھی تنگدست ہو تو اس کے لئے بچے کو ساقط کرانا جائز ہے، جب تک کہ اس کا کوئی عضو نہ بنا ہو، کیونکہ وہ ابھی بحکم آدمی نہیں ہوا ہے کہ جس کی مدت کم از کم ایک سو بیس دن ہے۔

چونکہ شیخ الصدر الشہید صاحب فتاوی الولوالجیہ کے استاذ ہیں فتاویٰ والوالجیۃ کی کتاب القضاء کی فصل ثالث اور رابع میں خود صاحب کتاب نے اس کی صراحت کی ہے اور وہ بکثرت واقعات اور فتاوی صدر شہید سے نقل کرتے ہیں، کبھی حوالہ ذکر کرتے ہیں کبھی نہیں، نیز اس مسئلہ کو بھی بعینہ اسی طرح ذکر کیا ہے جیسا کے واقعات اور فتاوی صدر شہید کی عبارت ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہیں سے منقول ہے۔

فتاوی ولوالجیہ میں ہے:

رجل تزوج امرأة فجاءت بسقط قد استبان خلقه فإن جاءت به لأربعة أشهر جاز النكاح ويثبت النسب من الزوج الثانى وإن جاءت لأربعة اشهر إلا يوما لم يجز النكاح لأن في الوجه الأول الولد من الزوج الثانى وفي الوجه الثاني من الزوج الأول لأن خلقه لا يستبين إلافى ماة وعشرين يوما فيكون أربعين يوما نطفة وأربعين علقة وأربعين مضغة- (فتاوى الولوالجيه ١/٣٦٠ كتاب النكاح الفصل الثالث)

ترجمہ: مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا، عورت نے ایک سقط جنا جس کی خلقت ظاہر ہوچکی تھی، اگر اس نے چار مہینے پر جنا ہے تب تو نکاح درست ہے، لیکن اگر چار مہینے سے ایک دن پہلے بھی جن دیا تو نکاح درست نہ ہوگا؛ کیونکہ پہلی صورت میں بچہ زوج ثانی کا ہی شمار ہوگا، لیکن دوسری صورت میں بچہ زوج اول کا ہوگا کیونکہ بچہ کی خلقت ایک سو بیس دن میں ہی مکمل ہوتی ہے، چالیس دن نطفہ ہوتا ہے، پھر چالیس دن جما ہوا خون اور پھر چالیس دن گوشت کا لوتھڑا۔

یہ وہ چند بنیادی مراجع ہیں جہاں سے بعد کے مصنفین نے ایک سوبیس دن والے قول کو لیا ہے؛ چنانچہ خانیہ، بدائع، تبیین، محیط، بحر، نہر، ہندیہ، درمختار، شامی، وغیرہ سب میں انہیں میں سے کسی نہ کسی سے یہ نقل کیا گیا ہے، پھر یہ مؤخر الذکر کتابیں ہی بالعموم ارباب افتاء کے پیش نظر ہوتی ہیں؛ اس لئے تقریباً تمام ہی اردو فتاوی میں چار ماہ اور ایک سوبیس دن کو ہی معیار بنا کر حکم ذکر کر دیا گیا

ہے، حالاں کہ یہ ہماری اصل تعبیر نہیں ہے، جیسا کہ گزرا اور ایک سو بیس دن والا قول ہشام عن محمد والے مسئلہ سے ہی مستفاد ہے، اس کی صراحت شرح منظومۃ لابن وہبان میں ہے۔

آپ لکھتے ہیں:

ينبغي التنبيه عليه وهو أنه وقع في عبارة المنتقى استبان بعض خلقه وهو الذي يفهم من ذالك أن بعض الخلق لا يكون في أقل من أربعة أشهر ولهذا قال في الواقعات لو جاءت به لأربعة أشهر إلا يوما كان من الزوج الأول۔

(شرح المنظومة لابن وهبان الحيض والنفاس مخطوطه)

ترجمہ: اس بات پر متنبہ کر دینا مناسب ہے کہ منتقی کی عبارت میں استبان بعض خلقہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خلقت چار مہینے سے کم میں نہیں ہوتی، اسی وجہ سے واقعات میں مذکور ہے کہ اگر عورت چار مہینے سے ایک دن پہلے بھی بچہ جن دے تو زوج اول کا مانا جائے گا۔

صاحب نہر کا صاحب بحر پر اعتراض

مشہور و متداول کتب فتاوی میں یہ قول تبیین الحقائق للزیلعی کے حوالہ سے بھی بکثرت مذکور ہے۔ مجمع الانہر، بحر، نہر شامی وغیرہ میں تبیین ہی کے حوالہ سے مذکور ہے اور تبیین میں اسے واقعات حسامیہ سے نقل کیا ہے۔ باب النفاس میں لکھتے ہیں:

لَا تَسْتَبِينَ الْخِلْقَةُ فِي أَقَلَ مِنْ مِائَةٍ وَعِشْرِينَ يَوْمًا، لِأَنَّ أَرْبَعِينَ يَوْمًا مُدَّةَ النُّطْفَةِ وَأَرْبَعِينَ يَوْمًا مُدَّةُ الْعَلَقَةِ وَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا مُدَّةُ

الْمُضْغَةِ كَذَا فِي الْوَاقِعَاتِ۔

(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشلبي ٦٧/١)

ترجمہ: ایک سو بیس دن سے کم میں خلقت ظاہر نہیں ہوتی، کیونکہ چالیس دن تو نطفہ کی مدت ہے اور چالیس دن جمے ہوئے خون کی اور چالیس دن گوشت کے لوتھڑے کی مدت ہے، جیسا کہ واقعات میں مذکور ہے۔

صاحب تبیین نے باب ثبوت النسب اور باب نکاح الرقیق دونوں جگہ یہ مضمون بیان کیا ہے، اس طوالت اور دراز نفسی کی ضرورت اس لئے پڑی کے جب صاحب بحر نے علامہ زیلعی کے حوالہ سے یہ بات ذکر کی اور باب ثبوت النسب کا حوالہ دیا۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

لَا يَسْتَبِينَ خلقه إلافی مِائَةٍ وَعِشْرِينَ يَوْمًا كذا ذكره الشارح الزيلعي في باب ثبوت النسب۔ (البحر الرائق ٢٢٩/١ احكام النفاس)

ترجمہ: ایک سو بیس دن سے کم میں خلقت ظاہر نہیں ہوتی، جیسا کہ شارح زیلعی نے ثبوت نسب کے باب میں ذکر فرمایا ہے۔

تو اس پر صاحب نہر نے صاحب بحر پر اعتراض کیا ہے کہ علامہ زیلعی نے یہ بات باب نکاح الرقیق میں بیان کی ہے یعنی باب ثبوت النسب کا حوالہ درست نہیں ہے۔

آپ لکھتے ہیں:

قال في البحر وذكره الشارح في ثبوت النسب أنه لا يستبين

خلقه قبلها وأقول إنما ذكر الشارح هذا في نكاح الرقيق۔

(النهر الفائق شرح كنز الدقائق ١٤١/١)

ترجمہ: بحر میں ہے کہ شارح نے اس اقتباس کہ ایک سو بیس دن سے کم میں خلقت ظاہر نہیں ہوتی کو ثبوت نسب میں ذکر فرمایا ہے، میں کہتا ہوں کہ شارح نے اسے نکاح الرقیق میں ذکر فرمایا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ صاحب نہر کا یہ اعتراض بے محل ہے؛ اس لئے کہ علامہ زیلعی نے باب ثبوت النسب میں بھی یہ بات ذکر کی ہے اور باب نکاح الرقیق میں بھی؛ لہٰذا اگر صاحب بحر نے باب ثبوت النسب کے حوالہ سے ذکر کر دیا تو یہ قابل اعتراض نہیں ہے، اعتراض تو اس وقت ہوسکتا تھا جب صاحب تبیین نے صرف باب نکاح الرقیق میں ذکر کیا ہوتا، باب ثبوت النسب میں ذکر نہ کرتے حالاں کہ وہاں بھی ذکر کیا ہے۔

تبیین الحقائق باب ثبوت النسب کی عبارت درج ذیل ہے:

لَوْ أَسْقطَتْ لِأَقَلَ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ إِذَا كَانَ قَدْ اسْتَبَانَ خَلْقُهُ لِأَنَّهُ لَا يَسْتَبِين إِلَّا فِي مِائَةٍ وَعِشْرِينَ يَوْمًا۔ (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق باب ثبوت النسب ٤٤/٣)

ترجمہ: اگر عورت چار ماہ سے کم مدت میں حمل ساقط کردے، جب کہ اس کی خلقت ظاہر ہو چکی ہو؛ کیونکہ استبانہ خلق ایک سو بیس دن میں ہی ہوتا ہے۔

دوطرح کی متعارض عبارات:

الغرض اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ دوطرح کی عبارات ہیں: ایک وہ عبارات جن میں ظہور بعض اعضاء ہی کو ان احکام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے؛ چنانچہ ماقبل میں کتاب الاصل للشیبانی، الجامع الکبیر، مبسوط سرخسی کتاب الآثار لمحمد کتاب الآثار لابی یوسف وغیرہ کے حوالہ سے گزرا کہ اگر کوئی ناخن، آنکھ، انگلی وغیرہ ظاہر ہوجائے تو اس پر ولد کے احکام جاری ہوں گے، اس سے حرمت بنی آدم وابستہ ہوجائے گی، اس کا اسقاط ناجائز ہوگا تمام ہی متداول کتابوں میں ملے جلے الفاظ کے ساتھ یہ جزئیہ مذکور ہے:

والسقط إن ظهر بعض خلقه من أصبع أو ظفر أو شعر ولد فتصير به نفساء۔ (هنديه ١٤٢)

ترجمہ: جنین کی اگر بعض خلقت مثلاً انگلی ناخن بال وغیرہ ظاہر ہوجائے تو وہ بحکم ولد ہوگا، جس کے ذریعہ عورت نفساء ہوجائے گی۔

(نیز دیکھئے فتح القدیر ١٨٩/١ المحیط البرهانی کنز الدقائق ٣٧٩/١ الاختیار لتعلیل المختار ٣١/١ بدائع الصنائع ١٦١/١ و غیرہ)

دوسری طرف وہ عبارات ہیں جن میں ایک سوبیس دن سے پہلے استبانہ کی نفی کی گئی ہے، جیسا کہ الواقعات الحسامیہ، النوازل للسمرقندی، الخانیہ، التبیین، شرح منظومه لابن وهبان وغیرہ کے حوالے سے گذرا، ان سب میں اس کی تصریح ہے: لأن خلقه لا يستبين إلا في ماة وعشرين يوما۔ یعنی استبانہ خلق ایک سوبیس دن میں ہی ہوتا ہے۔

یہ دونوں طرح کی عبارات باہم متعارض ہیں، ان کو اپنے ظاہر پر رکھ کر

دونوں کی تصحیح مشکل ہے؛ کیونکہ دوسرے نمبر کی عبارات کے مطابق چار ماہ سے ایک دن پہلے بھی استبانہ نہیں ہوسکتا، خانیہ، واقعات، محیط وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ امام قاضی خان لکھتے ہیں:

رجل تزوج امرأة فجاءت بسقط استبان خلقه أو بعض خلقه، قالوا إن جاءت لأربعه أشهر جاز النكاح وإن جاءت لأربعه أشهر إلا يوما لا يجوز لأن الخلق لا يستبين في أقل من ماة وعشرين يوما۔

(الخانيه ١ / ٢٢٤ فصل في مسائل النسب مطبوعه اتحاد)

ترجمہ: مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا، عورت نے ایک سقط جنا جس کی مکمل یا بعض خلقت ظاہر ہوچکی تھی، اگر اس نے چار مہینے پر جنا ہے تب تو نکاح درست ہے، لیکن اگر چار مہینے سے ایک دن پہلے بھی جن دیا تو نکاح درست نہ ہوگا، کیونکہ خلقت ایک سو بیس دن سے پہلے ظاہر نہیں ہوتی۔

اب اگر ان عبارات کا مطلب یہ لیا جائے کہ چار ماہ سے پہلے ظہور بعض اعضاء ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ بہت سے حضرات فقہاء نے یہی مطلب لیا ہے۔

چنانچہ صاحب نہر لکھتے ہیں:

يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل مضغة او علقة ولم يخلق له عضو و قدر و اتلك المدة بماة وعشرين يوما۔

(النهر الفائق ١٤١/١ باب الحيض)

ترجمہ: عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ علاج کے ذریعے دم گرادے جب تک کہ حمل گوشت کا ٹکڑا یا خون کا لوتھڑا ہو اور اس میں کوئی عضو پیدا نہ ہوا ہو، اور فقہائے کرام نے اس

کی مدت ایک سو بیس دن مقرر فرمائی ہے۔

ہندیہ میں ہے:

امرأة مرضعة ظهر بها حبل وانقطع لبنها وتخاف على ولدها الهلاك وليس لأبيه سعة حتى يستاجر الظئر يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام نطفة أو مضغة أو علقة لم يخلق له عضو وخلقه لا يستبين إلا بعد مأة وعشرين يوما أربعون نطفة وأربعون علقة وأربعون مضغة۔ (هنديه ٣٥٦/٥ الباب الثامن عشر في التداوي والمعالجات)

ترجمہ: دودھ پلانے والی عورت جس کا حمل ظاہر ہو جائے اور اس کا دودھ ختم ہو جائے اور اسے اپنے بچے کی ہلاکت کا خدشہ ہو اور اس بچے کے باپ کے پاس اتنی وسعت نہ ہو کہ وہ کسی دودھ پلانے والی عورت کو اجرت پر رکھے تو اس عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ خون گرا کر علاج کرائے جب تک کہ حمل نطفہ یا گوشت کا ٹکڑا یا خون کا لوتھڑا ہو اور اس میں کوئی عضو پیدا نہ ہوا ہو اور اس کی پیدائش ایک سو بیس دن کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہے چالیس دن نطفہ چالیس دن خون کا لوتھڑا اور چالیس دن گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے۔

اس طرح کی ان تمام عبارات کا ظاہر یہی ہے جن میں ایک سو بیس دن سے پہلے بعض عضو کی تخلیق کی نفی کی گئی ہے۔

اب اگر ان عبارات کا یہی مطلب ہو جیسا کہ ظاہری طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ایک سو بیس دن سے ایک دن پہلے بھی ظہور بعض اعضاء یعنی انگلی آنکھ بال

ناخن وغیرہ نہیں بن سکتے تو یہ بداہۃً ومشاہدۃً غلط ہے؛ کیونکہ تخلیق اعضاء بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ چالیس چالیس دن تک نطفہ علقہ اور مضغہ رہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس پوری مدت میں ایک عضو بھی نہیں بنتا اور ایک ہی وقت میں دفعۃ واحدۃ سارے اعضاء بن کر جان پڑ جاتی ہے۔ بلکہ اعضاء کی تخلیق کا مرحلہ کافی پہلے شروع ہوجاتا ہے اور تدریجی طور پر ارتقائی مراحل سے گزرتا رہتا ہے اور اگر اعضاء کی تخلیق پہلے شروع ہوجاتی ہے تو پھر فقہاء نے چار ماہ سے پہلے استبانہ خلق کی نفی کیوں کی، آخر اس استبانہ سے کیا مراد ہے؟

کیا استبانۃ الخلق کا مطلب نفخ روح ہے؟

اسی اعتراض سے بچنے کے لئے ہمارے بعض بڑے فقہاء نے استبانہ سے نفخِ روح مراد لیا ہے اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ استبانہ خلق یعنی نفخِ روح چار ماہ مکمل ہونے پر ہی ہوگا، اس سے ایک دن پہلے بھی نہیں ہوسکتا۔

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وهل يباح الإسقاط بعد الحبل يباح ما لم يتخلق شيء منه ثم في غير موضع قالوا ولا يكون ذلك إلا بعد مأة وعشرين يوما وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح وإلا فهو غلط۔

(فتح القدير ٣/١ ٤٠ باب نكاح الرقيق)

ترجمہ: کیا حمل ٹھہرنے کے بعد اس کا اسقاط جائز ہے؟ ہاں جائز ہے جب تک کہ اس کا کوئی عضو ظاہر نہ ہو۔ پھر کئی ایک مقام پر فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی عضو کا بننا ۱۲۰ دن بعد ہی ہوتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ تخلیق سے فقہاء کی مراد نفخِ

روح ہے ورنہ تو یہ کہنا غلط ہوگا۔

صاحب بحر نے فتح القدیر کی اسی بات کو تائیداً ذکر کیا ہے:

وفي فتح القدير وهل يباح الإسقاط --- وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح وإلا فهو غلط لأن التخليق يتحقق بالمشاهده قبل هذه المدة۔ (البحر الرائق ۳/ ۲۱۵ باب نكاح الرقيق)

ترجمہ: فتح القدیر میں ہے کیا حمل ہونے کے بعد اس کو ساقط کرنا جائز ہے۔۔۔ مذکورہ بات اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ فقہاء نے تخلیق سے مرادِ نفخِ روح لیا ہے، اگر نفخِ روح مراد نہ ہو تو اس مدت کی تعیین صحیح نہ ہوگی؛ کیونکہ تخلیق کا اس مدت سے پہلے ہونا مشاہدے سے ثابت ہے۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں جزماً یہ ذکر کیا ہے کہ ان عبارات میں حنفیہ کے نزدیک نفخِ روح ہی مراد ہے۔ لکھتے ہیں:

فقد ذكروا أنه يباح الإسقاط بعد الحمل ما لم يتخلق شيء منه والمراد بالتخلق في عبارتهم تلك نفخ الروح۔

(الموسوعة ۵۷/۲ حكم الاجهاض بعد نفخ الروح)

ترجمہ: فقہاء نے ذکر کیا کہ حمل کے بعد اسقاط حمل جائز ہے جب تک کہ اس کا کوئی عضو نہ بنا ہو، اور تخلیق سے فقہاء کی عبارت میں نفخِ روح مراد ہے۔

نفخِ روح مراد لینا درست نہیں

لیکن ان عبارات میں استبانہ خلق سے نفخِ روح مراد لینا درست نہیں ہے سیاق وسباق کے بھی خلاف ہے۔ نیز عبارت کے الفاظ اس مطلب ومراد کی نفی کر

رہے ہیں۔ خود علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے رد المحتار اور منحۃ الخالق میں اس مطلب کی نفی کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

قال في البحر المراد نفخ الروح وإلا فالمشاهد ظهور خلقه قبلها وكون المراد به ما ذكر ممنوع وقد وجهه في البدائع وغيرها بأنه يكون أربعين يوما نطفة وأربعين علقة وأربعين مضغة۔

(رد المختار على الدر المختار ١ / ٥٠٠ باب الحيض مطبوعه زكريا)

ترجمہ: بحر میں ہے: مراد نفخِ روح ہے؛ ورنہ اعضا کا بننا اس مدت سے پہلے مشاہدے سے ثابت ہے، خود علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صاحب بحر کی بات قابل تسلیم نہیں، اس لئے کہ بدائع وغیرہ میں اس کی توجیہ کی ہے کہ ۴۰ رد ن میں نطفہ ہوتا ہے، ۴۰ رد ن میں علقہ پھر ۴۰ رد ن میں مضغۃ۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن عبارات کے سیاق میں یہ مراد بیان کی جارہی ہے وہ عبارات خود اس سے اباء کررہی ہیں۔

علامہ زیلعی کی عبارت ملاحظہ ہو:

قالوا وكذلك المرأة يسعها أن تعالج لإسقاط الحبل ما لم يستبن شيء من خلقه و ذلك ما لم يتم له ماة وعشرون يوما۔

(تبيين الحقائق ٢/٥٩٧ باب نكاح الرقيق)

ترجمہ: استبانہ خلق سے پہلے حمل کو ساقط کرنا عورت کے لیے جائز ہے، استبانہ خلق ۱۲۰ رد ن کے بعد ہوتا ہے۔

خود صاحب بحر اور علامہ ابن الہمام نے جن عبارات کے ضمن میں یہ مطلب بیان کیا ہے وہ عبارات ملاحظہ ہوں:

قال في الفتح وهل يباح الاسقاط بعد الحبل يباح ما لم يتخلق شيء منه الخ وهكذا في البحر۔

ترجمہ: فتح القدیر میں ہے: کیا حمل ٹھہرنے کے بعد اسقاط جائز ہے؟ ہاں جائز ہے جب تک کہ اس کا کوئی عضو نہ بنا ہو۔

ان سب عبارات میں استبانة شيئ من الخلق یاشیئ من الحبل کا تخلق یہ صریح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ اس میں ظہور بعض اعضاء ہی مراد ہے کیوں کہ نفخِ روح میں تجزی نہیں ہے اور یہ طے شدہ ہے کہ ظہور بعض اعضاء چار ماہ میں نہیں ہوگا، بلکہ اس سے پہلے ماننا پڑے گا کیونکہ بالاتفاق چار ماہ میں تو نفخِ روح ہوتا ہے، لہٰذا تخلیق اعضاء نفخِ روح سے پہلے ہوگی۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سے فقہاء نے استبانۃ الخلق پر جب تفریع، تنظیر، تمثیل کی ہے تو ظہور بعض اعضاء ہی کی کی ہے۔ ہندیہ میں ہے:

العلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقه كالشعر والظفر ونحوهما لا يجوز وان كان غير مستبين الخلق يجوز۔

(هنديه ٣٥٦/٥ الباب الثامن عشر)

ترجمہ: حمل کو ساقط کرنا جبکہ اس کی خلقت مثلاً بال ناخن وغیرہ ظاہر ہو جائیں، جائز نہیں، اور اگر ظاہر نہ ہوئے ہوں تو جائز ہے۔

اس طرح کی بے شمار روایات فقہی ذخیرے میں موجود ہیں، اگر استبانۃ

الخلق سے نفخِ روح مراد لیا جائے تو یہ سب تفریع، تنظیر، تمثیل، بے محل ہوگی۔

چوتھی بات یہ ہے کہ استبانۃ الخلق سے نفخ روح مراد لینا اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتب اور دوسرے بنیادی مصادر میں استبان خلقه أو بعض خلقه کی تعبیر ایک ساتھ وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ الأصل للشیبانی میں ہے:

فإن ولدت ولدا أو أسقطت سقطا قد استبان خلقه أو بعض خلقه۔ (٥ / ١٤٤ باب نعتق امهات الاولاد)

ترجمہ: اگر باندی بچہ جن دے یا جنین جن دے جس کی مکمل یا بعض خلقت ظاہر ہو چکی تھی تو وہ ام ولد ہو جائے گی۔

باب العدۃ میں لکھتے ہیں:

وإذا أسقطت المرأة المطلقة أو المتوفى عنها زوجها سقطا قد استبان خلقه أو بعض خلقه فقد انقضت العدة۔ (٤ / ٤١٥ باب العدة)

ترجمہ: اگر مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا جنین جن دے، جس کی مکمل یا بعض خلقت ظاہر ہو چکی تھی تو اس کی عدت مکمل ہو جائے گی۔

ان عبارات میں استبانۃ الخلق اور بعض الخلق کو ایک ساتھ حرف تردید کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگر فقہاء کے کلام میں استبانہ الخلق سے نفخِ روح مراد ہوتی، تو اس کے بعد او بعض خلقہ کی عبارت بے محل ہوتی؛ کیونکہ نفخِ روح میں تجزی نہیں ہے۔ الغرض یہ بات تو طے ہے کہ اس موقع پر استبانۃ الخلق سے نفخِ روح نہیں مراد لیا جا سکتا۔

علامہ رافعی رحمہ اللہ کی توجیہ

اس تفصیل سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ استبانۃ الخلق سے نفخ روح مراد نہیں ہے، اب آخر اس سے کیا مراد لیا جائے کہ عبارت کا اضطراب مرتفع ہو جائے تو محشی شامی علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تاویل کی ہے کہ اس سے استبانہ تامہ مراد ہے یعنی صرف بعض اعضاء کا بن جانا کافی نہیں ہے بلکہ مکمل انسانی ڈھانچہ اور جملہ اعضاء کی تخلیق مراد ہے اور یہ یقینا چار ماہ سے پہلے نہیں ہوگی بلکہ ایک سو بیس دن ہی میں ہوگی۔

صاحب بحر کے اشکال کا جواب دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

يمكن أن يقال إن مراد الفقهاء إنما هو تمام استبانة الخلق ولا ينافي هذا أن مبدأ الاستبانه يكون في أقل من ذلك وعلى هذا يكون لفظ الخلق المضاف للضمير مفردا مضافا فيعم۔

(تقريرات رافعي بر حاشيه الشامي ٣٠٤/٢ باب الحيض تحقيق فرفور)

ترجمہ: یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقہاء کی مراد استبانہ تامہ ہے اور یہ بات اس کے منافی نہیں ہے کہ ظہور اعضا کی ابتدا اس سے کم مدت میں ہوتی ہے، اسی بناء پر لفظ خلق کی نسبت ضمیر مفرد مضاف کی طرف کی گئی ہے؛ لہٰذا وہ عام ہوگا۔

یہ توجیہ درست نہیں

لیکن علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ توجیہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ اگر فقہاء کے کلام میں استبانہ سے مراد استبانہ تامہ لیا جائے تو وہ تمام عبارات ساقط الاعتبار ہو جائیں گی جن میں فقہاء نے استبانۃ الخلق پر تفریع و تمثیل کرتے ہوئے

ظہور بعض اعضاء کی صراحت کی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتب سے لے کر درمختار، شامی، ہندیہ تک تقریبا تمام ہی کتب متداولہ میں وہ جزئیات مصرح ہیں۔ یہ معنی مراد لینے کا مطلب ان تمام عبارات کو نظر انداز کر دینا ہے۔ بطور نمونہ صرف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

قال محمد أخبرنا أبو حنيفة قال حدثنا حماد عن إبراهيم في السقط من الأمة للسيدأنه قال ما كان لا يستبين له إصبع أو عين أو فم إنها لا تعتق ولا تكون أم ولد قال محمد و به ناخذ إذا استبان شيئ من خلقه كانت به أم ولد و إذا لم يستبين شيئ من خلقه لم تكن به أم ولد وهو قول أبي حنيفة۔

(كتاب الآثار للشيباني ٢/ ٥٣٠ باب عدة ام الولد رقم ٥٢٣)

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ باندی کا حمل گر جائے تو اگر اس بچے کی انگلی یا آنکھ وغیرہ واضح نہ ہو، محض لوتھڑا ہو تو وہ آزاد نہیں ہوگی اور نہ ہی ام ولد ہوگی، حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں جب اس بچے کے اعضاء سے کچھ ظاہر ہو تو وہ عورت ام ولد ہو جائے گی اور جب کچھ ظاہر نہ ہو تو وہ ام الد نہیں بنے گی۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت اس بارے میں صریح ہے کہ فقہاء کے کلام میں استبانہ سے مراد مطلق ظہور بعض اعضاء ہے، استبانہ تامہ مراد نہیں ہے اور اس موقع پر استبانہ تامہ مراد لینا توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل کی قبیل سے ہوگا۔

خود علامہ شامی رحمہ اللہ نے علامہ برکوی کے رسالہ ذخر المتاہلین کی شرح منہل الواردین میں استبانہ تامہ کی صراحۃً نفی کی ہے۔آپ لکھتے ہیں:

والسقط بالحركات الولد يسقط من بطن امه ميتا وهو مستبين الخلق والا فليس الثلاث بسقط كذا في المغرب فقوله ان استبان بعض خلقه لبيان انه لا يشترط استبانه الكل بل يكفي البعض كالشعر والظفر واليد والرجل والاصبع فولد۔

(منهل الواردين ص ٨٢ ضمن رسائل ابن عابدين (٨٢/١)

ترجمہ: سقط سین کی تینوں حرکتوں کے ساتھ وہ بچہ جو ماں کے پیٹ سے مردہ پیدا ہو اور اس کے اعضاء ظاہر ہو، ورنہ تو وہ سقط نہیں ہوگا، اسی طرح مغرب میں ہے، مصنف کا قول یعنی ''استبانہ بعض خلقہ'' بیان ہے کہ استبانہ تامہ کی شرط نہیں ہے؛ بلکہ بعض کا ظاہر ہونا بھی کافی ہے، جیسے بال، ناخن، ہاتھ، پیر، انگلی تو وہ لڑکا شمار ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء نے استبان خلقه او بعض خلقه کی تصریح فرمائی ہے جیسا کہ ابھی ماقبل میں کتاب الاصل للشیبانی کے حوالے سے گزرا۔اس میں بعض خلقہ کی تنصیص وتصریح واضح طور پر دلالت کررہی ہے کہ استبانہ سے مراد تامہ نہیں ہے، بلکہ مطلق ہے جو ناقصہ اور تامہ دونوں کو شامل ہے، ورنہ تو بعض خلقہ کا کوئی معنی نہیں بنے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس موقع پر فقہاء کے کلام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ مدت استبانہ تامہ کے لیے نہیں ذکر کی بلکہ مطلق استبانہ کے لیے بیان کی ہے یعنی ظہور بعض اعضاء کے لیے۔شرح المنظومہ کی یہ عبارت

جو بعد کی کتابوں میں مرجع کی حیثیت سے منقول ہے۔اس کی واضح دلیل ہے:

قال الشامي و عبارته في عقد الفرائد قالوا يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو و قدروا تلك المدة بمأة وعشرين يوما۔ (رد المحتار ۳۰۲/۱ باب الحيض)

ترجمہ: علامہ شامی کہتے ہیں: اور ان کی عبارت عقد الفرائد میں کہ فقہاء نے فرمایا ہے عورت کے لیے مباح ہے کہ وہ علاج کرائے خون گرا کر، جب تک کہ حمل گوشت کا ٹکڑا یا دم بستہ ہو اور اس کا کوئی عضو نہ ظاہر ہوا ہو اور اس کی مدت فقہا نے ۱۲۰ دن مقرر کی ہے۔

اسی طرح صاحب تبیین علامہ زیلعی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

قالوا وكذلك المرأة يسعها أن تعالج لإسقاط الحبل ما لم يستبن شيء من خلقه وذلك ما لم يتم له مأة وعشرون يوما۔

(تبين الحقائق ۵۹۷/۲ باب نكاح الرقيق)

ترجمہ: اسی طرح عورت کے لئے گنجائش ہے کہ وہ حمل ساقط کردے جب تک کہ اس کا کوئی عضو ظاہر نہ ہوا ہو اور یہ ایک سو بیس دن سے پہلے پہلے ہوتا ہے۔

ان عبارات میں ایک سو بیس دن کی مدت نفخِ روح یا استبانہ تامہ کے لیے نہیں بیان کی جارہی ہے، بلکہ ظہور بعض اعضاء کی یہ مدت ذکر کی گئی ہے، جیسا کہ پہلی عبارت میں ولم يخلق له عضو اور دوسری عبارت میں شئ من خلقه سے ظاہر ہے۔

درحقیقت نفخِ روح یا استبانہ تامہ کی تاویلوں کا سہارا اسی لیے لینا پڑ رہا ہے

کہ ہمارے بنیادی مراجع ومصادر اور اصل مذہب میں ان احکام کے لیے ظہور بعض اعضاء کو معیار قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ کی کتب کے حوالہ سے ماقبل میں گزرا۔ لیکن دوسری طرف فتاوی، واقعات، نوازل، شروح وحواشی وغیرہ میں یہ بھی تصریح مل رہی ہے کہ استبانۃ الخلق ایک سو بیس دن سے ایک دن پہلے بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ تو درست ہو ہی نہیں سکتیں؛ اس لیے بعض حضرات نے نفخ روح اور بعض نے استبانہ تامہ کی تاویلات کی تاکہ عبارات کا یہ تعارض ختم ہو، لیکن یہ تاویلیں فاسد ہیں جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

دفع تعارض کے دو طریقے:

اب آخر اس تعارض کو کیسے دفع کیا جائے تو اس کے دو طریقے ہیں:

(۱) ترجیح:

بطور تمہید چند باتیں قابل ذکر ہیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ روایات وآثار میں سقط پر ولد کے احکام جاری کیے گئے ہیں۔ مصنف عبدالرزاق میں صراحتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے:

الأمة يعتقها ولدها وإن كان سقطا۔

(رقم ١٣٢٤٣ باب ما يعتقها السقط)

ترجمہ: باندی کو اسکا بچہ آزاد کرا دیتا ہے گرچہ ناقص الخلقت ہی کیوں نہ ہو۔

کبار تابعین وائمہ مجتہدین نے اس سقط کی مراد وتشریح سقط بین سے کی ہے، یعنی وہ سقط جس کے بعض اعضاء کا ظہور ہو گیا ہو امام زہری، ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن شبرمہ وغیرہم نے اس کی تصریح کی ہے:

عن مغيرة عن إبراهيم قال السقط بينا مضغة كان أو علقة۔

(رقم ١٣٢٤٥)

ترجمہ: حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم رحمت اللہ علیہ نے فرمایا: کہ سقط بین ہو خواہ گوشت کا ٹکڑا ہو یا خون کا لوتھڑا۔

عن هشام عن الحسن قال إذا كان سقطا بينا ---

(رقم ١٣٢٤٦)

ترجمہ: حضرت ہشام رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: جب کہ سقط بین ہو۔

عن معمر عن الزهري قال إذا أسقطت سقطا بينا فهى من أمهات الأولاد وإن لم يكن بينا فهى امة۔ (١٣٢٤٧ المصنف للامام عبد الرزاق ٢٩٥/٧ - ٢٩٦ - ١٩٢٧٤)

ترجمہ: حضرت معمر حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: باندی جب جنین بین کو ساقط کر دیں تو ام ولد میں سے ہے اور اگر بین نہ ہو تو وہ باندی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کبار تابعین رحمہم اللہ کے ان اقوال میں سقط بین سے مراد ظہور بعض اعضاء ہی ہے، اس کی تصریح امام محمد رحمہ اللہ نے فرمائی ہے اور اسے امام ابوحنیفہ کا قول قرار دیا ہے، امام محمد رحمہ اللہ امام ابوحنیفہؒ کی سند سے اولا ابراہیم نخعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

قال محمد أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم قال إذا طلق الرجل امرأته ثم أسقطت فقد انقضت عدتها۔

ترجمہ: امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ حماد سے وہ ابراہیم سے نقل فرماتے ہیں: کہ جب آدمی عورت کو طلاق دے اور عورت بچہ ساقط کردے تو اس کی عدت مکمل ہوجائے گی۔

پھر اُسقطت کی تشریح کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں:

قال محمد و به ناخذ ولا يكون السقط عندنا سقطا حتى يستبين شئ من خلقه شعر أو ظفر أو غير ذالک فإذا وضعت شيئا لم يستبن خلقه لم تنقض بذالك العدة وهو قول ابي حنيفة۔

(كتاب الآثار للشيباني ٤٩٨/٢ باب عدة المطلقه الحامل رقم ٤٨٥)

ترجمہ: امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی قول کو ہم لیتے ہیں، اور سقط ہمارے نزدیک اسی وقت ہوتا ہے جبکہ اس کے بعض اعضا مثلاً بال، ناخن وغیرہ ظاہر ہوجائیں، لہٰذا اگر عورت کوئی ایسا سقط جنے جس کی خلقت ظاہر نہ ہوئی ہو تو اس کے ذریعہ عدت مکمل نہیں ہوتی، یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے فقہاء نے جو ظہور بعض اعضاء کو ان احکام کے لیے معیار قرار دیا ہے اس کی علت یہ ہے کہ ظہور بعض اعضاء سے حتمی طور پر یہ معلوم ہوجائے گا کہ یہ حمل ہی ہے انسانی بچہ ہی ہے، گانٹھ غدود وغیرہ کا احتمال ختم ہوجائے گا اور آثار سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے، مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبدالرزاق مختصر اختلاف العلماء للطحاوی وغیرہ میں ایسے بہت سے آثار منقول ہیں، اسی طرح اس علت کی صراحت امام جصاص رازی رحمہ اللہ نے شرح مختصر الطحاوی میں امام سرخسی نے مبسوط میں علامہ کاسانی نے بدائع میں علامہ موصلی

نے الاختیار میں کی ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

ان مختصر تمہیدی باتوں سے یہ چیز واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ نفاس، انقضاء عدت، ثبوت استیلاد، اسقاط حمل وغیرہ مسائل کے باب میں ہمارے مذہب میں ظہور بعض اعضاء کو ہی معیار قرار دیا گیا ہے کیوں کہ استبانۃ بعض الخلق سے اس کا حمل ہونا اور انسانی بچہ ہونا ثابت ہوجاتا ہے اور وہ تمام احکام جو ولد ہونے پر موقوف ہوتے ہیں وہ متحقق ہوجاتے ہیں۔ نیز ایک سو بیس دن والا قول ایک مسئلہ سے مفہوما اخذ کیا گیا ہے اور احتیاطا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ تفصیل ماقبل میں گذری، جب کہ ظہور بعض اعضاء جو منطوقاً وتصریحاً مذکور ہے اصل مدار حکم ہے اور یہ طے شدہ ہے کہ بوقت تعارض منطوق کو مفہوم پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

ایک سو بیس دن والا قول مخدوش ہے

پھر یہ کہ بہت سے حضرات نے اس ایک سو بیس دن والے قول پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ صاحب مجمع الانہر لکھتے ہیں:

وفي قول صاحب التبيين ولا يستبين خلقه إلاماة و عشرين يوما نظر۔ (مجمع الانہر ۸٤/۱)

ترجمہ: صاحب تبیین کے قول کہ خلقت ایک سو بیس دن میں ہی ظاہر ہوتی ہے اشکال ہے۔

اسی طرح صاحب نصاب الاحتساب لکھتے ہیں:

ومدة استبانة الخلق ونفخ الروح مقدرة بمِائَة وَعِشْرِينَ يَوْمًا لَقَوْله عَلَيْهِ السَّلَام يجمع خلق أحدكم في بطن أمه أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَة الحَدِيث قَالَ العَبْدِ فِي التَّقْدِيرِ بِهَذِهِ المدَّة على سَبِيلِ الْعُمُوم بالتمسك بِهَذَا الحَدِيث نظرا لِأَن قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَام أحدكم خاص

فيكون تقدير نفخ الروح فِي صُورَة خَاصَّةٌ كَذَلِكَ لَا على سَبِيل الْعُمُومِ كَمَا فِي قَوْله تَعَالَى {فَابْعَثُوا أحدكم بورقكم} وَقَوْله تَعَالَى {فَخَذَ أَحَدَنَا مَكَانَهُ} على أَنِ الْأَطِبَاء يُنكرُونَ عُمُومه بالتجربة التي يجري إنكارها مجرى إنكار الحقائق وَلِأَن مُدَّة الولادة مُختلفة فكيف يكون مدة الاستبانة وَاحِدَةٍ وَلِأَن علم مَا فِي الرَّحِم مَفْقُود فكيف علم أوصافه۔ (نصاب الاحتساب ص۲۷۸)

ترجمہ: پیدائش کے ظاہر ہونے اور روح پھونکنے کی مدت ایک سوبیس دن بیان کی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی بنا پر تم میں سے ہر ایک کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفے کی صورت میں جمع کیا جاتا ہے، الحدیث بندہ کہتا ہے کہ اس حدیث سے علی سبیل العموم استدلال کرتے ہوئے اس مدت کا اندازہ لگانے میں نظر ہے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان احدکم خاص ہے، تو اسی طرح ایک خاص صورت میں روح پھونکنے کی مدت کا بیان ہے، نہ کہ علی سبیل العموم، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: فابعثوا أحدكم بورقكم (تم اپنے میں سے ایک کو اپنا چاندی کا سکہ لے کر بھیجو) اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: فخذأحدنا مكانه (ہم میں سے کسی ایک کو ان کی جگہ لے لو) نیز جبکہ اطبا نے بھی اس کے عموم کا انکار کیا ہے، اس تجربے کے بنیاد پر جس کا انکار حقائق کا انکار کرنے کے مرادف ہے اور اس لیے کہ ولادت کی مدت مختلف ہوتی

ہے، تو ظہور کی مدت کیسے ایک ہوسکتی ہے، نیز اس لیے کہ جب رحم مادر میں موجود ذات کا علم حاصل نہیں تو اوصاف کا علم کیسے حاصل ہوگا۔

نیز علامہ ابن الہمام صاحب بحر، صاحب نہر وغیرہ اکابرین نے بھی ایک سو بیس دن سے پہلے ظہور بعض اعضاء کی نفی کو غلط قرار دیا ہے۔

صاحب بحر فرماتے ہیں:

لأن المشاهد ظهور خلقه قبلها۔

صاحب بحر نے جو یہ قوی اشکال کیا ہے کہ استبانۃ الخلق تو ایک سو بیس دن سے بھی پہلے ہو جاتا ہے پھر یہ تحدید کیسے درست ہوگی؟ علامہ شامی رحمہ اللہ نے صاحب بحر کی مراد پر تو کلام کیا ہے کہ استبانہ سے نفخِ روح مراد لینا صحیح نہیں ہے لیکن صاحب بحر کے اس اشکال کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس کی تائید کرتے ہوئے اطباء کے قول اور بعض روایات کے مطابق بتلایا ہے:

أقول لكن يشكل على ذلك قول البحر أن المشاهد ظهور خلقه قبل هذه المدة وهو موافق لمافى بعض روايات الصحيح إذا مر بالنطفة ثنتان وأربعون ليلة بعث الله إليها ملكا فصورها و خلق سمعها وبصرها وجلدها وأيضا هو موافق لما ذكره الأطباء۔

(شامی ۱/ ۵۰۰ باب الحیض)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اس پر اشکال ہوتا ہے بحر کے اس قول سے کہ اس مدت سے پہلے پیدائش کا ظاہر ہونا مشاہدے سے ثابت ہے اور یہ بات بعض صحیح روایات کے بھی مطابق ہے کہ جب نطفے پر ۴۲ دن گزر جاتے ہیں تو اللہ

تبارک وتعالی ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کی صورت، اس کا
کان، اس کی آنکھ اور اس کی جلد بناتا ہے، نیز یہ اطباء کے
قول کے بھی موافق ہے۔

الغرض لا یستبین إلافی مأة و عشرین یوما میں نہ تو نفخِ روح مراد لینا درست اور نہ ہی استبانہ تامہ کی تاویل صحیح۔

لہٰذا اس سے استبانہ مطلقہ مراد ہے جس میں ظہور بعض اعضاء شامل ہے۔ پھر استبانہ مطلقہ کو ایک سو بیس دن کے ساتھ موقت کرنا عقلاً، مشاہدۃً، درایۃً و روایۃً ہر طرح باطل ہے۔ اطباء کے اقوال کے بھی خلاف ہے؛ اس لیے احکام کا مدار ظہور بعض اعضاء پر ہی رکھا جائے گا۔

(۲) تطبیق:

ایک سو بیس دن والے قول کا بنیادی ماخذ وہ مسئلہ ہے جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بروایت ہشام منقول ہے۔ جسے محیط برہانی میں حاکم شہید رحمہ اللہ کی منتقی کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے اور بعد کے مصنفین نے بالواسطہ یا بلاواسطہ وہیں سے اخذ کیا ہے۔ محیط برہانی کی یہ عبارت:

لأنه بلغنا أنه یکون نطفة أربعین یوماً ثم علقة أربعین یوماً ثم مضغة أربعین یوماً۔

وجہ اشتباہ بنی ہے؛ کیوں کہ اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ جنین ایک سو بیس دن تک مضغہ کے مرحلہ میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد آگے کے مراحل طے ہوتے ہیں۔ یہیں سے بعد میں یہ مفہوم اخذ کیا گیا کہ ایک سو بیس دن سے پہلے اعضاء ہی نہیں بنیں گے۔ چناچہ علامہ شامی علیہ الرحمہ ایک سو بیس دن والے قول کی

علت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد وجهه في البدائع وغيرها بأنه يكون أربعين يوما نطفة وأربعين علقة وأربعين مضغة۔

(رد المحتار على الدر المختار ١ / ٥٠٠ باب الحيض مطبوعه زكريا)

ترجمہ: بدائع وغیرہ میں یہ توجیہ بیان کی گئی ہے کہ وہ چالیس دن تک نطفہ، چالیس دن تک جما ہوا خون اور چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔

حالاں کہ منشقی والے مسئلے سے یہ مفہوم کشید کرنا محل نظر ہے؛ کیوں کہ اس کا پس منظر یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک حاملہ من الزنا سے بھی نکاح جائز نہیں ہے۔

اور امام صاحب کے نزدیک نکاح درست ہے؛ البتہ صحبت وغیرہ وضع حمل تک منع ہے، اب ایک بے شوہر والی عورت ہے، اس سے کسی نے زنا کرلیا، زنا کے کچھ دنوں بعد کسی اور نے اس سے نکاح کیا، نکاح کے بعد اس نے بچہ جنا تو اس صورت میں نکاح کی صحت وفساد کا حکم بچہ کی کیفیت پر موقوف ہوگا۔ اگر بچہ تام الخلقت اور کامل الاعضاء ہے، تو احتیاطا چھ ماہ سے اسے حاملہ مانا جائیگا اور چھ ماہ کے اندر اندر وضع حمل کی صورت میں یہ نکاح حاملہ سے ہوا، اور صاحبین کے نزدیک حاملہ من الزنا سے بھی نکاح فاسد ہے۔

اور اگر بچہ سقط ہے، ناتمام ہے، لیکن اس کے بعض اعضاء ظاہر ہو چکے ہیں، تو اب اسے کب سے حاملہ مانا جائے؟ ایک قول یہ ہے کہ ناتمام میں بھی چھ ماہ سے حاملہ قرار دیکر حکم لگایا جائے، لیکن امام ابوعلی الدقاق جو بیک واسطہ امام محمد کے شاگرد ہیں انہوں نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ احتیاطا چار ماہ سے اسے حاملہ

مانا جائے؛ کیوں کہ حدیث میں چالیس دن نطفہ، چالیس دن علقہ اور چالیس دن مضغہ کا ذکر ہے، یعنی اس سے پہلے ظہورِ بعض اعضاء کے لیے کوئی متعین و منضبط معیار نہیں ہے؛ کیوں کہ زمان ومکان، زچہ بچہ کے احوال وعوارضات کے اعتبار سے کم وبیش بھی ہوسکتا ہے۔

قال محمد والأربعة الأشهر وجبت عندي في السقط الذي استبان خلقه مثل الستة الأشهر في الولد التام. (ایضاً)

ترجمہ: امام محمد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس سقط کے لیے چار مہینہ ضروری ہے جس کی ابھی خلقت ظاہر ہوئی ہو، جیسا کہ مکمل خلقت والے کے لیے چھ مہینہ ہونا ضروری ہے۔

اس سے زیادہ وضاحت اور اصح قول کی تعیین کے ساتھ صاحب قنیہ نے ذکر کیا ہے:

أسقطت سقطا قد استبان خلقه يحكم بكونها حاملا منذ ستة أشهر وقال الدقاق منذ أربعة أشهر وهو الأصح لأنه المتيقن كالستة في الولد التام۔ (قنية المنية صفحه ١٨ باب في الحيض والنفاس)

ترجمہ: عورت نے ایسا سقط جنا جس کی خلقت ظاہر ہو چکی تھی تو عورت کو گذشتہ چھ مہینے سے حاملہ مانا جائے گا، اور امام دقاق فرماتے ہیں کہ چار مہینے سے حاملہ مانا جائے گا، اور یہی قول اصح ہے؛ کیونکہ یہ مدت یقینی ہے، جیسا کہ مکمل خلقت والے بچے میں چھ مہینہ کی مدت یقینی ہے۔

یہاں غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ تام الخلقت کی صورت میں چھ ماہ سے حاملہ

قرار دینا صرف احتیاط کی بنیاد پر ہے، اگرچہ چھ ماہ سے پہلے ہی کامل تخلیق اعضاء ہو جاتی ہے، اسی طرح نا تمام بچہ کی صورت میں چار ماہ کو معیار ٹھہرانا بھی خاص اس مسئلہ میں احتیاط کی بنا پر ہے، جیسا کہ لأنه المتيقن کا لفظ اس پر دال ہے۔ قینہ کی اس تفصیل کے مطابق بعد کے فقہاء نے احکام کی تفریع و تطبیق کی ہے۔

چنانچہ منظومہ بن وھبان میں ہے کہ اگر ایک عورت کو اس کی ایام عادت میں خون آتا رہا، اس نے حیض کا سمجھ کر نماز اور روزہ چھوڑ دئے پھر اس نے نا تمام بچہ جس میں ظہورِ بعض اعضاء ہو گیا تھا اس کو جنم دیا تو اس عورت کو چار ماہ سے حاملہ مانا جائے گا اور چار ماہ کے دوران جو بھی نماز روزہ اس نے چھوڑا ہے اس کی قضا لازم ہوگی (کیوں کہ حاملہ کو آنے والا خون حیض نہیں استحاضہ ہوتا ہے۔)

و من أبصرت في العادة الدم --- ثم لم تصل وجاء السقط وهو مصور فتقضى لمتروك الصلاة كصومِها --- ومدته قل أربع من اشهر۔ (المنظومة الوهبانية صفحه ٢٦ شعر ٣٥-٣٦)

ترجمہ: جو عورت اپنی عادت کے مطابق خون دیکھے...
اور اس نے نماز ترک کر دیا تھا پھر ایسا بچہ جنا جس کی صورت
بنی ہوئی تھی تو وہ اپنی متروکہ نمازوں کی قضا کرے گی جیسے
روزوں کی کرتی ہے۔۔۔اور اس کی مدت چار مہینہ ہے۔

علامہ ابن الشحنہ نے شرح المنظومہ میں اس چار ماہ والے مسئلے کا ماخذ و مصدر اسی منتقی والے مسئلہ کو قرار دیا ہے۔

آپ لکھتے ہیں:

وقد اشتمل البيتان على مسئلة من القنية قال بعد أن رمز له مح أسقطت سقطا قد استبان خلقه يحكم بكونها حاملا منذ ستة

أشهر وقال الدقاق منذ أربعة. وهو الأصح لأنه المتيقن كالستة فى الولد التام ولا يخفى أنها اذا كانت حاملا وجب عليها قضاء ما تركت خم رمز لركن الدين الصباغي وقال كانت ترى الدم في أيام حيضها ثم أسقطت سقطا مستبين الخلق. تقضى ما تركت من الصلاة أربعة أشهر وما أفطرت من الصيام بناء على ما ذكر في المنتقى هشام عن محمد تزوج امرأءة الخ۔

(شرح المنظومة لا بن الشحنه مخطوط_شعر ھ ۳٦,۳)

ترجمہ: ان دونوں شعر میں قنیہ کا ایک مسئلہ مذکور ہے مح سے اس کی علامت لگانے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر عورت نے ایسا سقط جنا جس کی خلقت ظاہر ہوچکی تھی تو عورت کو گذشتہ چھ مہینے سے حاملہ مانا جائے گا، اور امام دقاق فرماتے ہیں کہ چار مہینے سے حاملہ مانا جائے گا، اور یہی قول اصح ہے کیونکہ یہ مدت یقینی ہے جیسا کہ مکمل خلقت والے بچے میں چھ مہینہ کی مدت یقینی ہے، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جب وہ حاملہ ہی تھی تو اس پر متروکہ نمازوں کی قضا لازم ہوگی۔ پھر رکن الدین الصباغی خم کی علامت لگا کر فرماتے ہیں: عورت اپنے ایام حیض میں خون دیکھتی تھی پھر اس نے ایسا سقط جنا جس کی خلقت ظاہر ہوچکی تھی تو وہ چار مہینے تک کی متروکہ نمازوں کی اور روزوں کی قضا کرے گی جیسا کہ منتقی میں ہشام نے امام محمد سے نقل فرمایا ہے۔

منتقی والے مسئلے کو قنیہ میں بھی مذکورہ مسئلہ کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ آگے چل کر علامہ ابن الشحنہ نے اس شرح المنظومہ میں یہ صراحت کی ہے کہ نا تمام بچہ میں چار ماہ کو جو معیار بنایا گیا ہے، وہ احتیاط کی بنیاد پر ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

ولا يخفى أن المنظم هو قول الدقاق المصحح لا القول الآخر وههنا نظر آخر ينبغى التنبيه عليه وهو أنه وقع في عبارة المنتقى استبان بعض خلقه الخ. وهو الذي يفهم من ذلك. أن بعض الخلق لا يكون فى أقل من أربعة أشهر ولهذا قال في الواقعات لو جاءت به لأربعة أشهر إلا يوما كان من الزوج الأول فينبغي أن يقال إن كان ولدا كامل الخلق تقضى صلاة ستة أشهر وإلا أربعة أخذا بالاحتياط- (شرح المنظومه شعر ۳۶-۳۵)

ترجمہ: اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ شعر میں مذکور قول امام دقاق کا ہے جو کہ صحیح قول ہے نہ کے دوسرا قول اور یہاں ایک اور اشکال ہے جس پر آگاہ کر دینا مناسب ہے، وہ یہ کہ منتقی کی عبارت میں ہے استبان بعض خلقہ الخ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خلقت چار مہینے سے کم میں ظاہر نہیں ہوتی، اسی وجہ سے واقعات میں فرماتے ہیں کہ اگر عورت چار مہینے سے ایک دن پہلے بھی سقط جنے تو اسے زوج اول کا مانا جائے گا، لہٰذا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اگر بچہ کی خلقت مکمل ہو تو چھ مہینے کی متروکہ نمازوں کی قضا کرنی ہوگی ورنہ چار مہینے کی، احتیاط پر عمل کرتے ہوئے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ منتقی اور اس پر متفرع مسائل میں محض احتیاطا چار ماہ کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ وہ بھی خاص اس مسئلہ میں؛ لیکن اس سے یہ اصول کشید کرنا کہ استبانۃ الخلق چار ماہ سے پہلے ہو ہی نہیں سکتا اور پھر جملہ ابواب میں اس کو دائر کرنا بہر حال قابل غور ہے؛ لہٰذا خاص ثبوت نسب کے اس مسئلہ میں احتیاطا چار ماہ کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ باقی تمام احکامات میں ظہور بعض اعضاء کو ہی بنیاد بنایا گیا ہے۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر منطبق کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔

اشتباہ کی ایک اور وجہ:

پھر یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ اصل اشتباہ کی وجہ ہمارے بہت سے فقہاء کی یہ تعبیر ہے کہ جنین نطفہ، علقہ، مضغہ ہو تو اسقاط جائز ورنہ نہیں۔ اب اس کا مفہوم یہ لیا گیا کہ چوں کہ حدیث میں ان تینوں مرحلوں کے لیے چار ماہ کا ذکر ہے اور دوسری طرف عبارات فقہاء میں اس کی بھی تصریح ہے کہ ظہور بعض اعضاء سے پہلے ہی اسقاط جائز ہے اس کے بعد نہیں۔ ان دونوں باتوں کو جوڑ کر یہ نتیجہ نکالا گیا کہ ظہور بعض اعضاء ایک سو بیس دن میں ہوگا؛ حالاں کہ فقہاء نے نطفہ، علقہ، مضغہ کو مقصود او تحدیدا نہیں ذکر کیا، بلکہ یہ صرف بطور مثال مذکور ہیں اور تینوں کو عدم استبانہ کی مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ کاسانی کی یہ عبارت اس کا واضح ثبوت ہے:

و شرط انقضاء هذه العدة أن يكون ما وضعت قد استبان خلقه أو بعض خلقه فإن لم يستبن رأسا بأن أسقطت علقة أو مضغة لم تنقض العدة، لأنه إذا استبان خلقه أو بعض خلقه فهو ولد فقد وجد وضع الحمل فتنقضي به العدة، وإذا لم يستبن لم

يعلم كونه ولدا بل يحتمل أن يكون، ويحتمل أن لا يكون فيقع الشك في وضع الحمل فلا تنقضي العدة بالشك۔

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ۱۹۶/۳)

ترجمہ: اس عدت کے مکمل ہونے کی شرط یہ ہے کہ عورت نے جو بچہ جنا ہے اس کے مکمل یا بعض اعضا ظاہر ہو چکے ہوں، کیونکہ یہ ولد ہے؛ لہٰذا وضع حمل پایا گیا جس سے عدت پوری ہو جاتی ہے، اور جب اس کے اعضاء ظاہر ہی نہ ہوئے ہوں تو اس کا ولد ہونا متحقق نہ ہوگا، بلکہ یہ احتمال ہوگا کہ بچہ ہے اور یہ بھی کہ بچہ نہیں ہے، جس سے وضع حمل میں شک واقع ہو جاتا ہے، لہٰذا شک سے عدت مکمل نہیں ہوگی۔

یہ عبارت اس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ علقہ اور مضغہ کو فقہاء عدم استبانۃ الخلق کی مثال میں ذکر کرتے ہیں؛ لہٰذا نطفہ علقہ مضغہ پر حکم کا مدار نہیں ہوگا؛ بلکہ اصل استبانہ اور عدم استبانہ ہی مدار حکم ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے مضغہ کے بعد ولم یتخلق لہ عضو کی قید لگائی ہے۔

ظہور بعض اعضا کب ہوتا ہے؟

قرآن پاک نے تخلیق انسانی کے مراحل نطفہ علقہ مضغہ وغیرہ کو تو بیان کیا ہے، لیکن ان مراحل کی تکمیل میں کتنے دن لگتے ہیں اور اعضا کی تخلیق اور صورت گری کب ہوتی ہے، اس کی تفصیل وتحدید نہیں ذکر کی ہے، البتہ بعض روایات میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی طور پر دو حدیثیں انتہائی اہم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث

(۱) بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن عبد الله بن مسعود قال حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الصادق المصدوق أن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوما ثم يكون في ذلك علقة مثل ذالك ثم يكون في ذلك مضغة مثل ذلك ثم يرسل الله الملك فينفخ فيه الروح ويومر بأ ربع كلمات يكتب رزقه وأجله وعمله وشقي أو سعيد الخ...

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کہ صادق و مصدوق ہیں کہ تم میں سے ہر شخص کی خلقت کو اس کی ماں کے رحم میں جمع کیا جاتا ہے چالیس دن تک، پھر وہ چالیس دن میں جما ہوا خون ہوتا ہے اور پھر چالیس دن میں گوشت کا لوتھڑا، پھر اللہ تعالی فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے چار باتیں لکھنے کا حکم ہوتا ہے، اس کی رزق، موت، عمل اور بد بختی یا نیک بختی لکھ دی جاتی ہے۔

حضرت حذیفہ بن اسید کی حدیث

(۲) دوسری حدیث مسلم شریف اور مسند احمد وغیرہ میں ہے:

قال حذيفة بن أسيد الغفاري سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مر بالنطفة اثنتان و أربعون ليلة بعث الله

إليها ملكاً، فصورها، وخلق سمعها و بصرها، و جلدها ولحمها وعظامها ... الخ۔ (مسلم شریف)

ترجمہ: حذیفہ بن اسید غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب نطفے پر بیالیس دن گذر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتے ہیں، جو اس کی صورت بناتا ہے، اس کے کان و آنکھ بناتا ہے اور اس کی جلد، گوشت پوست اور ہڈیاں بناتا ہے۔

تخلیق کی مدت کی تفصیل بیان کرنے میں یہ دونوں حدیثیں مرکزی و بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پتہ چلتا ہے کہ حمل چالیس دن نطفہ، چالیس دن علقہ اور چالیس دن مضغہ رہتا ہے، یعنی ایک سو بیس دن تک اعضا کی تخلیق اور صورت گری نہیں ہوتی؛ کیونکہ سورہ مومنون آیت نمبر ۱۴ کے مطابق مضغہ کے بعد ہڈی اور پھر اس پر گوشت و پوست کا مرحلہ آتا ہے، جبکہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ماہ گزرتے ہی ظہورِ بعض اعضاء کا تحقق ہوجاتا ہے اور صورت گری کی ابتداء ہوجاتی ہے، اعضاء بننے لگتے ہیں۔ ڈاکٹر الزندانی نے جس انداز سے یہ تعارض دور کیا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی توجیہ:

پہلی حدیث کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ ہر مرحلہ چالیس دن میں مکمل ہوتا ہے جبکہ دوسری حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مختلف مخصوص اعضاء کی تخلیق کا

مرحلہ بیالیس دن کے بعد شروع ہوجاتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نطفہ، علقہ اور مضغہ کے مراحل ۴۲ردن کے اندر اندر مکمل ہوجاتے ہیں اور ہڈی بننے کا مرحلہ شروع ہوجاتا ہے۔اگر پہلی حدیث کی مذکورہ تشریح صحیح ہوتو ہڈی بننے کا مرحلہ ایک سوبیس دن کے بعد شروع ہونا چاہیے۔پہلی حدیث میں مثل ذالک کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔اس کے دو مفہوم مراد ہوسکتے ہیں:

ایک تو یہ کہ اس سے مدت کی تکرار مراد ہو اور دوسرے یہ کہ تکمیل مرحلہ کی تکرار مقصود ہو، معلوم ہوا کہ یہاں اجمال اور ابہام پایا جاتا ہے۔

دوسری حدیث سے اس کی تبیین وتوضیح ہوجاتی ہے کہ بیالیس دن کے بعد ہڈی بننے کا مرحلہ شروع ہوجاتا ہے یعنی اس سے پہلے کے مراحل نطفہ علقہ اور مضغہ پایہ تکمیل کو پہنچ چکے ہوتے ہیں اور اصول حدیث یہ ہے کہ مجمل حدیث کو مبین حدیث کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔یہاں پہلی حدیث کا عموم دوسری حدیث سے ختم ہوجاتا ہے اور اس کا خاص اور متعین مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔

چنانچہ ساتویں صدی کے ایک عالم ابن الزملکانی کا حوالہ دیا ہے جنہوں نے یہی توجیہ کی ہے:

قوله ثم يكون علقة مثل ذلك أى ثم إنه يكون في الأربعين المذكورة علقة تامة الخلق ..... ثم إنه يكون مضغة في حصتها أيضا من الأربعين محكمة الخلق مثلها أن صورة الانسان محكمة بعد الأربعين يوما، فنصب مثل ذلك على المصدر لا على الظرف، ونظيره في الكلام قولك: إن الإنسان يتغير في الدنيا مدة عمره، ثم تشرح تغيره فتقول: ثم إنه يكون رضيعا ثم فطيما ثم يا نعا ثم شاباثم كهلا تم شيخا ثم هر ما يتوفاه الله بعد ذلك وذلك من باب ترتيب

الاخبار عن أطواره التي ينتقل فيها مدة بقائه في الدنيا۔

(بحوالہ سہ ماہ مجلہ تحقیقات اسلامی بابت اپریل تا جون ۱۹۸۸)

ترجمہ: ان کا قول پھر وہ اس طرح خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے یعنی پھر وہ مذکورہ چالیس دن میں مکمل خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے--- نیز پھر وہ اتنی ہی مدت میں یعنی چالیس دن میں کامل گوشت کا ٹکڑا ہو جاتا ہے اسی طرح چالیس دن بعد انسان کی صورت مکمل ہو جاتی ہے، اسی لیے مثل ذالک کو نصب دیا گیا ہے مصدر ہونے کی بنا پر نہ کہ ظرف ہونے کی بنا پر، اس کی نظیر آپ کا قول ہے: ان الانسان یتغیر فی الدنیا مدة عمره (انسان دنیا میں اپنی عمر کی مدت کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے) پھر تم اس کے تغیر کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہو: پھر وہ دودھ پینے والا بچہ ہو جاتا ہے پھر کھانے والا پھر اور مضبوط ہو جاتا ہے پھر نوجوان پھر ادھیڑ عمر پھر بوڑھا پھر انتہائی بوڑھا ہو جاتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالی اس پر موت کو طاری کر دیتے ہیں اور یہ دنیا میں اس کی زندگی گزارنے کے مراحل کے معلومات کے باب میں سے ہیں۔

یہی توجیہ اس موضوع پر لکھنے والے دوسرے مصنفین نے بھی کی ہے۔ ڈاکٹر شرف القضاۃ نے اپنے مقالہ متی تنفخ الروح فی الجنین میں اس سلسلہ میں مروی بیشتر احادیث جمع کر کے ان کی تطبیق یا ترجیح سے متعلق مفسرین و محدثین اور علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دینے کی

کوشش کی ہے اور اس سے یہی مذکورہ نتیجہ نکالا ہے۔ لکھتے ہیں:

صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلی حدیث کو دوسری حدیث پر محمول کیا جائے اس لیے کہ پہلی حدیث میں چار مہینے کی تصریح نہیں ہے اور نہ یہ تصریح ہے کہ نطفہ کا مرحلہ چالیس دن تک رہتا ہے۔ بلکہ حدیث کے الفاظ (ان احدکم یجمع خلقه في بطن امه اربعين يوما) سے معلوم ہوتا ہے کہ نطفہ سے لے کر مضغہ تک کی تخلیق چالیس دن میں ہوجاتی ہے۔ اسی لیے اس جملہ کے بعد کسی صحیح یا حسن روایت میں نطفہ کا لفظ نہیں آیا ہے۔

حدیث کے الفاظ (ثم يكون علقة مثل ذالك . ثم يكون مضغة مثل ذلک) سے بھی یہ صراحت نہیں ہوتی کہ مثل ذالک سے مراد مدت (یعنی چالیس دن) ہے بلکہ اس سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ علقہ اور مضغہ جنین کے بے روح ہونے اور اس وقت تک تقدیر کے نہ لکھے جانے کے سلسلہ میں نطفہ کے مثل ہوتے ہیں۔ بعد کے جملہ (ثم يرسل اليه الملك فينفخ فيه الروح ويومر باربع كلمات) سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے مثل ذلک سے مراد وقت نہیں ہے۔ اس کا اثبات مسلم کی روایت میں موجود اضافہ فی ذلک سے ہوتا ہے معلوم ہوا کہ مثل ذلک سے مراد مدت نہیں ہے۔ پہلی حدیث میں کئی احتمالات ہیں جبکہ دوسری حدیث صریح ہے اور کئی صحابہ سے مروی ہے۔ اصول حدیث کے مطابق جس حدیث میں احتمال ہو اسے صریح کی طرف پھیرا جانا چاہیے۔ (سہ ماہی مجلہ تحقیقات اسلامی بابت اپریل تا جون ۱۹۸۸ ص ۷۹ تا ۸۲)

حدیث حذیفہ ابتدائی تخطیط پر محمول ہے

لیکن حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پینتالیس دن میں

اعضاء بننے لگتے ہیں اور ان کا ظہور اس طرح ہو جاتا ہے کہ وہ مشاہدے میں آسکتے ہیں؛ کیوں کہ عادتاً ایسا ممکن نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ابتدائی تخطیط اور آغاز تخلیق اس مرحلے سے شروع ہو جاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ اور دوسرے محققین نے اس کی صراحت کی ہے:

ثُمَّ لِلْمَلَكِ فِيهِ تَصَرُّفٌ آخَر فِي وَقْتٍ آخَرَ وَهُوَ تَصْوِيرُ هُو خلق سمعه وبصره وجلده ولحمه وَعَظْمِهِ وَكَوْنُهُ ذَكَرًا أَمْ أُنْثَى وَذَلِكَ إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْأَرْبَعِينَ الثَّالِثَةِ وَهِيَ مُدَّةَ الْمُضْغَةِ وَقَبْلَ انْقِضَاءِ هَذِهِ الْأَرْبَعِينَ وَ قَبْلَ نَفْخِ الرُّوحِ فِيهِ لِأَنَّ نَفْخ الرُّوحِ لَا يَكُونُ إِلَّا بَعْدَ تَمَامِ صُورَتِهِ وَأَمَّا قَوْلُهُ فِي إِحْدَى الرِّوَايَاتِ فَإِذَا مر بِالنُّطْفَةِ اثْنَتَانِ وَأَرْبَعُونَ لَيْلَةً بَعَثَ اللهُ إِلَيْهَا مَلَكًا فَصَوَّرَهَا وَخَلَقَ سَمْعَهَا وبصرها وجلدها ولحمها وعظامها ثم قال يارب أَذَكَر أَمْ أُنْثَى فَيَقْضِي رَبُّكَ مَا شَاءَ ويكتب الملك ثم يقول يارب أجله فيقول ربك ماشاء ويكتب الملك و ذكر رزقه فقال الْقَاضِي وَغَيْرُهُ لَيْسَ هُوَ عَلَى ظَاهِرِهِ وَلَا يَصِحُّ حَمْلُهُ عَلَى ظَاهِرِهِ بَلِ الْمُرَادُ بِتَصْوِيرِهَا وَخَلْقُ سَمْعِهَا إِلَى آخِرِهِ أَنَّهُ يَكْتُبُ ذَلِكَ ثُمَّ يَفْعَلُهُ فِي وَقت آخَرَ لِأَنَّ التَصْوِيرَ عَقِبَ الْأَرْبَعِينَ الْأُولَى غَيْرُ مَوْجُودٍ فِي الْعَادَةِ وَ إِنَّمَا يَقَع فِي الْأَرْبَعِينَ الثَّالِثَةِ وَهِيَ مَدَّةُ الْمُضْغَةِ۔ (شرح النووي ١٩١/١٦)

ترجمہ: پھر فرشتہ دوسرے وقت میں اس میں دوسرا عمل کرتا ہے وہ یہ کہ اس کی شکل وصورت بنانا یعنی کان، آنکھ، جلد، گوشت پوست اور ہڈی بنانا، اس کو مذکر یا مؤنث بنانا اور یہ تیسرے چلے میں ہوتا ہے کہ جس مدت میں وہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے، اور یہ سب ان چالیس دنوں کے

گذرنے اور اس میں روح پھونکنے سے پہلے پہلے ہوتا ہے، کیونکہ نفخِ روح اس کی مکمل صورت و ہیئت بننے کے بعد ہی ہوتی ہے، اور مصنف کا یہ کہنا کہ یہ ایک روایت میں مذکور ہے کہ جب نطفے پر بیالیس دن گذر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس کی صورت بناتا ہے، اس کے کان و آنکھ بناتا ہے اور اس کی جلد، گوشت پوست اور ہڈیاں بناتا ہے، پھر کہتا ہے اے رب مذکر بناؤں یا مؤنث؟ پھر اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں فیصلہ کرتے ہیں، پھر فرشتہ لکھنا شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے رب اسے موت کب آئے گی تو تمہارا رب جو چاہتا ہے کہتا ہے اور فرشتہ لکھتا ہے اور اس کے رزق کا بھی ذکر کرتا ہے، شیخ قاضی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے اور نہ ظاہر پر محمول کرنا صحیح ہوسکتا ہے، بلکہ شکل وصورت اور کان وغیرہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ لکھ دیتا ہے پھر کسی دوسرے وقت میں اسے انجام دیتا ہے، کیونکہ شکل وصورت پہلے چالیس دنوں کے بعد عادۃ نہیں بنائی جاتی؛ بلکہ یہ تو تیسرے چلے میں ہوتا ہے کہ جس وقت وہ گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

استشكله عامة شراح الحديث وقالوا لا يمكن حمل هذا الحديث على ظاهره لأن التصوير لا يقع في الأربعين الثانيه ثم

تكلفوا بالتاويل في هذا الحديث وتنوعوا في ذالك والواقع أنه لا إشكال فيه أصلا لأن التصوير عمل يستكمل عدة مراحل فالتصوير المبدئى يبتدئ في الأربعين الثانية ولكنه تصوير خفي قد عبر عنه بعض الأطباء المتقدمين بالخطوط۔

(تكمله فتح الملهم ٣٦٦/٥ باب القدر)

ترجمہ: اکثر شراح حدیث نے اس پر اشکال کیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کرنا ممکن نہیں؛ اس لیے کہ تصویر بنانا دوسرے چلے میں نہیں ہوتا ہے پھر انہوں نے اس حدیث میں بتکلف تاویلیں کی ہیں اور اس میں مختلف باتیں کہی ہے، حقیقت میں اس کے اندر کوئی اشکال نہیں ہے، اس لیے کہ تصویر بنانا ایک ایسا عمل ہے جو چند مراحل میں مکمل ہوتا ہے ابتدائی تصویر کی شروعات دوسرے چلے میں ہوتی ہے لیکن وہ تصویر خفیہ ہوتی ہے کہ جس کو بعض متقدمین اطباء نے تخطیط سے تعبیر کیا ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے فقہاء نے جو ایک سو بیس دن سے پہلے استبانۃ الخلق اور ظہور بعض اعضاء کی نفی ہے وہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہی ظاہری مفہوم ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ درمختار کے قول:

ولا يستبين خلقه الا بعد مأة وعشرين يوما پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقد وجهه في البدائع وغيرها بأنه يكون أربعين يوما نطفة وأربعين علقة وأربعين مضغة. (شامي ١ / ٥٠٠ ط زكريا)

ترجمہ: بدائع وغیرہ میں یہ توجیہ بیان کی گئی ہے کہ وہ چالیس دن تک نطفہ، چالیس دن تک جما ہوا خون اور چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔

صاحب نصاب الاحتساب نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ مدت اسی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہے:

ومدة استبانه الخلق ونفخ الروح مقدرة بمأة وعشرين يوما لقوله عليه السلام يجمع خلق أحدكم في بطن أمه أربعين يوما نطفة--- الخ۔ (نصاب الاحتساب ص ٢٧٨)

ترجمہ: استبانہ خلق اور نفخِ روح کی مدت ۱۲۰/دن ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے ''انسان کی پیدائش ماں کے پیٹ میں ۴۰/دن تک نطفہ کی شکل میں جمع کی جاتی ہے''۔

علامہ زیلعی کی یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو:

لا تستبين الخلقة في أقل من مأة و عشرين يوما لأن أربعين يوما مدة النطفة وأربعين يوما مدة العلقة وأربعين يوما مدة المغضة۔ (تبيين الحقائق ٦٧/١)

ترجمہ: ایک سو بیس دن سے کم میں خلقت ظاہر نہیں ہوتی، کیونکہ چالیس دن تو نطفہ کی مدت ہے اور چالیس دن جمے ہوئے خون کی اور چالیس دن گوشت کے لوتھڑے کی مدت ہے، جیسا کہ واقعات میں مذکور ہے۔

حدیث ابن مسعودؓ سے ۱۲۰ دن پر استدلال درست نہیں

لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ مطلب مراد لینا کہ ایک سو بیس دن سے پہلے ایک عضو بھی نہیں بنتا بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا۔

پہلی دلیل:

کیونکہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعض طرق میں یہ بھی اضافہ ہے کہ حمل چالیس دن نطفہ، چالیس دن علقہ، چالیس دن مضغہ، پھر چالیس دن تک ہڈی بننے کا مرحلہ رہتا ہے۔ پھر اس کے بعد کہیں گوشت و پوست بننا شروع ہوتا ہے۔ مسند احمد میں ہے:

قال عبد الله قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن النطفة تكون في الرحم أربعون يوما على حالها لا تغير، فإذا مضت الأربعون، صارت علقة، ثم مضغة كذلك، ثم عظاما كذلك، فإذا أراد الله أن يسوي خلقه، بعث الله إليها ملكا. (مسند احمد ۱۸۷/۰)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نطفہ مادر رحم میں ۴۰ دن تک اپنے حال پر رہتا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، پھر جب ۴۰ دن گزر جاتے ہیں تو وہ خون کا لوتھڑا بن جاتا ہے، پھر اسی طرح وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے اور پھر ایسے ہی اس میں ہڈی بھی لگ جاتی ہے، اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس کی خلقت کو تام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے پاس ایک فرشتہ بھیج دیتے ہیں۔

اگر اس روایت کا یہی ظاہری مفہوم مراد لیا جائے تو گویا حمل پر گوشت و پوست بننے کا مرحلہ ایک سو ساٹھ دن کے بعد شروع ہوگا اور یہ بداہۃً ومشاہدہ غلط ہے؛ کیونکہ نفخِ روح بالیقین ایک سو بیس دن میں ہے تو اس کے بعد ہڈی بننے اور گوشت چڑھنے کا کیا مطلب ہے۔

علامہ ابن رجب حنبلی مسند احمد کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وروايه الإمام أحمد تدل على أن الجنين لا يكسى اللحم إلا بعد مأة وستين يوما وهذا غلط بلا ريب فيه فإنه بعد مأة وعشرين يوما ينفخ فيه الروح بلا ريب۔ (جامع العلوم والحكم ١٦٢/١ الحديث الرابع)

ترجمہ: امام احمد رحمہ اللہ تعالی کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنین پر ۱۶۰/ دن کے بعد ہی گوشت چڑھایا جاتا ہے حالانکہ یہ بالکل صحیح نہیں کیونکہ ایک سو بیس دن بعد تو اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

الغرض حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب بیان کرنا کہ ایک سو بیس دن تک ظہور بعض اعضاء ہی نہیں ہوگا اور استبانہ خلق اس کے بعد ہوگا، یہ درست نہیں ہے؛ کیونکہ حتمی طور پر ایک سو بیس دن میں جان پڑ جاتی ہے اور بدون تخلیق اعضاء جان پڑنے کا کیا مطلب ہے؟

لان نفخ الروح إنما يكون بعد الخلق۔ (شامي ٥٠١/١ ط زكريا)

دوسری دلیل:

بہت سے محققین فقہاء نے اس کی صراحتاً تردید کی ہے اور اسے مشاہدے و نفس الامر کے خلاف قرار دیا ہے۔

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وهل يباح الإسقاط بعد الحبل؟ يباح ما لم يتخلق شيء منه، ثم في غير موضع قالوا: ولا يكون ذلك إلا بعد مائة وعشرين يوما وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح وإلا فهو غلط۔

(فتح القدير ٣/١ ٤٠ باب نكاح الرقيق)

ترجمہ: کیا حمل ٹھہرنے کے بعد اس کا اسقاط جائز ہے؟ ہاں جائز ہے جب تک کہ اس کا کوئی عضو ظاہر نہ ہو، پھر ایک دوسرے مقام پر فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی عضو کا بننا ۱۲۰ دن بعد ہی ہوتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ تخلیق سے فقہاء کی مراد نفخِ روح ہے ورنہ تو یہ غلط ہوگا۔

صاحب بحر نے فتح القدیر کی اس بات کو تائید اذکر کیا ہے:

وفي فتح القدير وهل يباح الإسقاط ..... وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح وإلا فهو غلط لأن التخليق يتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة۔ (البحر الرائق ٢١٥/٣ باب نكاح الرقيق)

ترجمہ: کیا حمل ٹھہرنے کے بعد اس کا اسقاط جائز ہے ۔۔۔اس عبارت کا تقاضا ہے کہ تخلیق سے مراد نفخِ روح لی جائے ورنہ تو معنی غلط ہو جائیں گے، کیونکہ تخلیق اس مدت سے سے پہلے مشاہدے سے ثابت ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ نے منحۃ الخالق اور ردالمحتار میں تخلیق سے نفخِ روح مراد لینے پر تو کلام کیا ہے؛ لیکن صاحب بحر کے اس دعوے (کہ ایک سو بیس دن سے پہلے تخلیق اعضاء کا مشاہدۃ ظہور ہو جاتا ہے) پر کوئی اشکال نہیں کیا، بلکہ اس

کو تسلیم کرتے ہوئے صحیح روایت کے مطابق اور اطباء کی رائے کے موافق قرار دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

وقدر وا تلك المدة بمأة وعشرين يوما وإنما أبا حوا ذلك لأنه ليس بآدمي كذا في النهر اقول لكن يشكل على ذلك قول البحر إن المشاهد ظهور خلقه قبل هذه المدة وهو موافق لما في بعض رواية الصحيح: إذا مر بالنطفة ثنتان وأربعون ليلة بعث الله إليها ملكاً، فصورها، وخلق سمعها وبصرها، وجلدها وأيضاً هو موافق لما ذكره الاطباء۔ (رد المحتار ١ / ٥٠٠ ط زكريا)

ترجمہ: فقہاء نے اس مدت کی تعیین ۱۲۰ دن سے کی ہے اور اسقاط حمل کو اسی لیے جائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ یہ ابھی انسان نہیں بنا، جیسا کہ نہر میں ہے میں کہتا ہوں کہ اس میں صاحب بحر کے قول سے اشکال ہوتا ہے کہ اس مدت سے قبل ہی ظہور خلق مشاہدے سے ثابت ہے اور یہ بات صحیح روایت کے موافق بھی ہیں جس میں ہے کہ جب نطفے پر ۴۲ دن گزر جاتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالی اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس کی صورت بناتا ہے اس کے کان، انکھ اور اس کی جلد بناتا ہے، نیز یہ اطبا کے بیان کردہ قول کے بھی موافق ہے۔

اسی طرح صاحب مجمع الانہر لکھتے ہیں:

وفي قول صاحب التبيين ولا يستبين خلقه إلا مأة و عشرين يوما نظر۔ (مجمع الانهر ٨٤/١)

صاحب تبیین کے قول کہ خلقت ایک سو بیس دن میں ہی ظاہر ہوتی ہے، اشکال ہے۔ صاحب نصاب الاحتساب لکھتے ہیں:

ومدة استبانه الخلق ونفخ الروح مقدرة بمأة وعشرين يوما لقوله عليه السلام يجمع خلق أحدكم في بطن أمه أربعين يوما نطفة الحديث قال العبد في التقدير بهذه المدة على سبيل العموم بالتمسك بهذا الحديث نظر۔ (نصاب الاحتساب ۲۷۸)

ترجمہ: استبانہ خلق اور نفخِ روح کی مدت ۱۲۰ دن ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے "انسان کی پیدائش ماں کے پیٹ میں ۴۰ دن تک نطفہ کی شکل میں جمع کی جاتی ہے" صاحب نصاب الاحتساب کہتے ہیں اس حدیث سے علی سبیل العموم استدلال کرتے ہوئے اس مدت کو مقرر کرنے میں نظر ہے۔

الغرض جب بنص حدیث و باجماع فقہاء ایک سو بیس دن میں جان پڑ جاتی ہے تو پھر اس وقت تک ظہور بعض اعضاء نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جان تو تخلیق اعضاء کے بعد ہی پڑے گی۔ اسی لیے ان محققین فقہاء نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ظاہری مفہوم کو عقل، نص، مشاہدہ، و بداہت کے خلاف قرار دیتے ہوئے رد فرمایا ہے۔

تیسری دلیل:

ایک سو بیس دن سے پہلے اعضا بننے کی نفی اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ قرآن پاک نے تخلیق کے تیسرے درجہ مضغہ کے دو مراحل بیان کیے ہیں: ثم من

مضغة مخلقة وغير مخلقة (سورۃ الحج) مخلقہ وغیر مخلقہ کی تفسیر حضرت قتادہ، ضحاک وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ جس کے تمام اعضاء و جوارح بن گئے ہوں وہ مخلقہ ہے اور جس کے اندر کوئی نقص جسمانی ہو وہ غیر مخلقہ ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

المراد من تمت فيه أحوال الخلق ومن لم تتم كأنه سبحانه قسم المضغة إلى قسمين أحدها تامة الصور والحواس والتخاطيط وثانيهما الناقصة في هذه الأمور فبين ان بعد أن صيره مضغه منها ما خلقه إنسانا تاما بلا نقص ومنها ما ليس كذلك وهذا قول قتاده و ضحاک۔ (تفسير كبير للرازي)

ترجمہ: مضغۂ مخلقہ اور غیر مخلقہ سے مراد وہ ہے جس میں خلقت کے احوال مکمل ہو اور جس میں مکمل نہ ہو گویا کہ اللہ تعالی نے مضغہ کی دو قسمیں کی ہے: جن میں سے ایک وہ ہے جس کی شکل، حواس اور صورت گری مکمل ہوتی ہے، ان میں سے دوسری قسم وہ جو ان امور میں ناقص ہو، اس کو مضغہ بنانے کے بعد اس کی دو قسمیں ہو جاتی ہے، وہ یہ ہے جسے اللہ تعالی مکمل انسان کی ہیئت میں پیدا کرتے ہیں کسی نقص کے بغیر، دوسری قسم جو ایسا نہ ہو اور یہی قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔

اسی طرح امام طبری مخلقہ وغیر مخلقہ کی مختلف تفسیریں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وأولى الأقوال في ذلك بالصواب قول من قال المخلقة المصورة

خلقا تاما وغير مخلقة السقط قبل تمام خلقه لان المخلقة وغير المخلقة من نعت المضغة والنطفة بعد مصيرها مضغة لم يبق لها حتى تصير خلقا سويا إلا التصوير ..... يقول تعالى ذكره جعلنا المضغة منها المغلقة التامة ومنها السقط غير التامة۔

(تفسير طبري ٥٦٦/١٨ سورة الحج)

ترجمہ: اس سلسلے میں سب سے درست بات اس شخص کی ہے جس نے کہا کہ مخلقہ وہ ہے جس کی خلقت مکمل ہو اور غیر مخلقہ وہ ہے جس کی خلقت مکمل نہ ہو اس لیے کے مخلقہ اور غیر مخلقہ مضغۃ کی صفت ہے اور نطفہ کے مضغۃ بننے کے بعد مکمل تخلیق ہونے تک سوائے صورت سازی کے کچھ باقی نہیں رہتا۔

غور طلب امر یہ ہے کہ آیت میں مضغہ کے دو مرحلے مذکور ہیں مخلقہ یعنی جس کے تمام اعضا وغیرہ بن چکے ہوں اور یہ مضغہ کی انتہائی و آخری مدت ہے اور غیر مخلقہ جس کے اعضاء مکمل نہ بنے ہوں یعنی وہ ابھی نا تمام ہو۔ اب اگر ایک سو بیس دن سے پہلے اعضاء سرے سے بنتے ہی نہیں ہیں، ظہور بعض اعضاء کا تحقق بھی نہیں ہوتا ہے تو پھر مضغہ کی یہ تقسیم کیسے درست ہوگی؟ اس لیے لازمی طور پر ایک سو بیس دن سے پہلے تخلیق اعضاء ماننا پڑے گا۔

چوتھی دلیل:

پھر یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ تخلیق اعضا ایک مشاہدتی فنی اور تجرباتی چیز ہے اس میں اطباء واہل تجربہ کی بات زیادہ قابل اعتناء ہوگی، اور اس سلسلے میں قدیم وجدید تمام ہی اطباء متفق ہیں کہ ایک سو بیس دن سے پہلے اعضا کی تخلیق

ہونے لگتی ہے اور استبانۃ الخلق کا ظہور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے صاحب بحر کے اس قول "ان المشاهد ظهور خلقه قبل هذه المده" کو اطباء کے قول کے مطابق قرار دیا ہے اور شیخ داؤد الانطا کی کے حوالے سے اس کی تفصیلات ذکر فرمائی ہیں۔

آپ لکھتے ہیں:

فقد ذكر الشيخ داود في تذكرته أنه يتحول عظاما مخططة في اثنين وثلاثين يوما إلى خمسين ثم يجتذب الغذاء ويكتسي اللحم إلى خمس و سبعين ثم تظهر فيه الغاذية والنامية ويكون كالنبات إلى نحو المأة ثم يكون كالحيوان النائم إلى عشرين بعدها فتنفخ فيه الروح الحقيقية الانسانية۔ (شامي ۱/۵۰۱ط زكريا)

ترجمہ: شیخ داؤد نے اپنے تذکرے میں ذکر کیا ہے کہ وہ بتیس سے پچاس دن میں خطوط والی ہڈی ہو جاتا ہے، پھر غذا جذب کرنے لگتا ہے اور ۷۵/ دن میں گوشت چڑھ جاتا ہے، پھر اس میں خورد ونوش اور بڑھوتری ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ سو دن میں نباتات کی طرح ہو جاتا ہے، پھر وہ اس کے بیس دن بعد حیوان نائم کی طرح ہو جاتا ہے، پھر اس میں حقیقی انسانی روح پھونکی جاتی ہے۔

محقق فرفور نے شامی کے اپنے محقق نسخے میں شیخ داؤد الانطا کی کی پوری عبارت حاشیے میں نقل کر دی ہے۔ (شامی فرفور ۱/ ۳۰۵ط اتحاد) بعینہ یہی تفصیل بوعلی سینا کی مشہور زمانہ کتاب القانون فی الطب کے اندر ہے۔

ملاحظہ ہو:

أما مدة الرغوة فستة أيام أو سَبْعَة وَ فِي هَذِه الأَيَّام تتصرف المصورة في النُّطْفَة من غير استمداد من الرحم وبعد ذلك تستمد. وَابْتِدَاء الخطوط والنقط بعد بثلاثة أَيَّامٍ أُخْرَى فَتَكون تِسْعَة أَيَّام من الابْتِدَاء وَقد يَتَقَدَّم يَوْمًا أَوْ يَتَأَخر يَوْمًا ثُمَّ بعد سِتَةِ أَيَّامٍ أُخْرَى يكون الْخَامس عشر من العلوق تنفذ الدموية فِي الْجَمِيعِ فَتَصِيرِ عَلَقَةً وَرُبمَا تقدم يَوْمًا أو يومين وبعد ذلك بإثني عشر يوما تصير الرُّطُوبَة لَحْمًا وَقد تميزت قطع لحم وتميزت الأَعْضَاء الثلاثة تميزاً ظاهرا وقد تنحى بعضها عن مماسة بعض وامتدت رطوبة النخاع ورُبمَا تَأَخر أَو تقدم بيومين أو ثَلَاثَة ثم بعد تِسْعَة أَيَّام تنفصل الرَّأْس عَنِ الْمَنْكِبَيْنِ والأطراف عن الضلوع والبطن تميزاً يحس في بعضهم ويخفى في بعض حَتَّى يحس بعد ذَلِك بأربعة أَيَّامٍ تَكْمِلَة الْأَرْبَعِينَ يَوْمًا ويتأخر فِي النَّادِرِ إِلَى خَمْسَة وَأَرْبَعِينَ يَوْمًا والأقل فِي ذَلِكَ ثَلَاثُونَ يَوْمًا۔ (القانون في الطب ٧٥٧/٢)

یہی تفسیر ابن القیم نے اپنی مختلف کتب میں، ابن رجب حنبلی نے جامع العلوم والحکم میں، ابن حجر نے فتح الباری میں اور دوسرے محققین نے ذکر کی ہے، بلکہ جدید میڈیکل سائنس اس بات پر متفق ہے کہ ایک سو بیس دن سے پہلے تخلیق اعضاء کا ظہور ہو جاتا ہے۔ میڈیکل کے نصابی کتابوں میں اس کی تصریح ہے۔

اسی طرح جنین کی مختلف مراحل کی جو ڈاکیومنٹری ویڈیو ہے، جو مختلف معتبر اطباء یا اداروں کی طرف سے اپلوڈ کردہ ہے، اس میں بھی اعضاء بننے کی جو تفصیل مذکور ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ چار ماہ سے قبل استبانۃ الخلق متحقق ہو جاتا ہے۔

تین ماہ کے جنین کی تصاویر

فوٹو ملاحظہ ہو۔ تین ماہ کے بعینہ جنین کی تصویر جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی گئی ہے:

Three months Foetus
with Placenta

اسی طرح علم الأجنہ کے ماہرین اور اس موضوع پر لکھنے والے بیشتر حضرات نے اس کی تصریح کی ہے کہ تخلیق اعضاء کا ظہور ایک سو بیس دن سے پہلے ہوجاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

دار العلوم کی ویب سائٹ پر موجود درج ذیل سوال و جواب سے بھی مبحوث عنہ مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے سوال وجواب ملاحظہ ہو:

سوال: حمل ساقط ہونے کے بعد استبانۂ خلق کا وجود یا عدم قطعی طور پر معلوم ہونے کی صورت میں تو شرعی حکم فقہائے کرام کی عبارات میں صراحۃً مذکور ہے، لیکن بعض صورتوں میں استبانۂ خلق کا وجود یا عدم قطعی طور پر ظاہر نہیں ہوتا، نہ اس کا معلوم کرنا ممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ اس صورت کی طرف فقہاء نے لَا يَدْرِي أَمُسْتَبِينٌ هُوَ أَمْ لَا؟ بِأَنْ أَسْقَطَتْ فِي الْمَخْرَجِ سے اشارہ کیا ہے۔

نیز آج کل ایک جدید صورت یہ بھی ہے کہ مشین کے ذریعے اندر ہی صفائی کی جاتی ہے جس میں حمل کے استبانۂ خلق کے وجود یا عدم کا کچھ پتہ نہیں چل سکتا۔ مذکورہ صورت کا حکم شرعی ذکر کرتے ہوئے اکثر عبارات میں پیمانہ ومعیار چار مہینوں کو قرار دیا گیا ہے، یعنی اگر ایامِ حمل چار مہینوں سے کم ہوں تو سِقط غیر مستبین الخلق شمار کیا جائے گا، ورنہ مستبین الخلق۔ لیکن اس پیمانہ پر علّامہ شامی نے صاحبِ بحر کے حوالے سے ایک قوی اشکال بھی ذکر کیا ہے:

أَقُولُ: لَكِنْ يُشْكِلُ عَلَى ذَلِكَ قَوْلُ الْبَحْرِ: إِنَّ الْمُشَاهَدَ ظُهُورُ خَلْقِهِ قَبْلَ هَذِهِ الْمُدَّةِ، ۔ مفتی به قول؟

اس سلسلے میں مفتی بہ قول کیا ہے؟

جواب نمبر: ۶۲۶۴۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

1437/Sn=6/471- 224:Fatwa ID

صاحب بحر نے جو اشکال کیا ہے وہ وقیع ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، اور اسے بعض صحیح احادیث کے مطابق قرار دیا جن میں کہا گیا کہ جب "نطفہ" پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں شکل بناتا ہے، اس کے کان، آنکھ اور کھال بناتا ہے، نیز علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا اطباء کی بھی یہی تحقیق ہے کہ چار مہینے سے پہلے ہی اعضاء بننے لگتے ہیں۔

شامی میں ہے:

أقول: لكن يشكل على ذلك قول البحر: إن المشاهد ظهور خلقه قبل هذه المدة وهو موافق لما في بعض روايات الصحيح، إذا مر بالنطفة ثنتان وأربعون ليلة بعث الله إليها ملكا فصوّرها وخلق سمعها وبصرها وجلدها، وأيضا هو موافق لما ذكره الأطباء إلخ۔ (۱/ ۵۰۰، ط: زكريا)

امداد الفتاوی میں بھی حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ نے چار مہینے سے پہلے ساقط ہونے والے حمل کے بعد آنے والے خون کو نفاس قرار دیا۔ (دیکھیں: امداد الفتاوی: ۱/ ۱۰۱، سوال: ۷۶، ۷۷، ۷۸) اس لیے یہی قولِ راجح اور مفتی بہ ہوگا کہ اب استبانۂ خلق (اعضاء کا ظہور) کے لیے حمل پر چار مہینے گزرنے سے پہلے اگر کسی کا حمل ساقط ہوا اور اس کے بعض اعضاء بن جائیں تو اس کے بعد

آنے والا خون نفاس شمار ہوگا، تتمہ احسن الفتاوی (۱۰ / ۱۷۴، ط: زکریا) میں بھی اسی پر فتوی دیا گیا ہے، آپ نے مشین کے ذریعے صفائی کی صورت میں استبانۂ خلق کے پتہ نہ چلنے کی جو بات تحریر فرمائی ہے، وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے؛ اس لیے کہ آج کل (USG) الٹراساؤنڈ سونوگرافی کی مدد سے اس کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

امداد الفتاوی کا حوالہ:

اسی طرح امداد الفتاوی میں مذکور ایک سوال جواب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: (۷۷) دو ماہ کا اسقاط ہو گیا مضغہ گوشت جس میں نشانات صورت نمودار تھے گرا اس کا کیا حکم ہے۔ دفن کرنا اور کفن لازم ہے یا نہیں اور اس صورت میں جو خون قبل اسقاط یا بعد اسقاط جاری ہو وہ نفاس میں داخل ہے یا نہیں۔ نماز روزہ سے ایسی حالت میں کنارہ کش ہونا واجب ہے یا نہیں۔ کیونکہ پوری ولادت نہیں ہے۔

الجواب: في الدر المختار باب الحيض في احكام النفاس وسقط ظهر بعض خلقه كيد او رجل او اصبع او ظفر او شعر ولا يستبين خلقه الا بعد مائة و عشرين يوماً ولد حكما فتصير المرأة به نفساء الى قوله فان لم يظهر له شيئ فليس بشيئي والمرئى حيض ان دام ثلثا وتقدمه طهر تام والا استحاضة وفيه باب صلوة الجنازة والا اى وان لم يستهل غسل وسمى عند الثاني وهو الاصح فيفتى به على خلاف ظاهر الرواية اكراما لبنى ادم كما في ملتقى البحار وفى النهر عن الظهيرية وان استبان بعض خلقه غسل وحشرهو المختار

وادرج في خرقة و دفن ولم يصل عليه أهـ في رد المحتار مواخذا على تقديره بمائة و عشرين يوماً ما نصه ولكن يشكل على ذلك قول البحران المشاهد ظهور خلقه قبل هذه المدة الى قوله ايضاهو موافق لما ذكره الاطباء الخ وفيه على قوله والا يستهل مانصه شمل ماتم خلقه ولا خلاف فى غسله ومالم يتم وفيه خلاف والمختار انه يغسل ويلف في خرقة ولا يصلى عليه أهـ

راویت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جزا جزاء بدن انسانی سے مثل ہاتھ یا پاؤں یا انگلی یا ناخن یا بال وغیرہ نمودار ہو گیا ہے تو وہ شرعا بچہ ہے اور اس کے بعد جو خون آیا وہ نفاس ہے اس لئے نماز ساقط ہو جائے گی اور روزہ دوسرے ایام میں قضا کرے گی اور اس صورت میں اس کو غسل بھی دیا جاوے گا۔ اور اگر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی تو وہ بچہ نہیں ہے نہ اس کے لئے غسل و کفن ہے نہ قاعدہ کے موافق دفن ہے البتہ چونکہ جزو آدمی ہے اس لئے زمین میں ویسے ہی دبا دینا چاہیے اور اس صورت میں وہ خون نفاس بھی نہیں ہے بلکہ دیکھنا چاہیے کہ اس سے قبل حیض آئے ہوئے کتنا زمانہ ہوا اور یہ خون کے روز آتا ہے۔ اگر حیض آئے ہوئے پندرہ روز یا زیادہ ہو گئے ہوں اور یہ خون کم از کم تین روز آئے تو حیض ہے اور ایک شرط بھی کم ہو جاوے تو استحاضہ ہے جس میں نماز روزہ سب صحیح ہے۔

واللہ اعلم ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۱ (امداد اص ۴۰ ج ۱)

اس فتوے میں غور طلب بات یہ ہے کہ صرف دو ماہ کے ساقط شدہ حمل پر حکما بچہ ہونے یا نہ ہونے کا مدار ظہور عضو پر رکھا گیا ہے چار ماہ کی مدت کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

احسن الفتاوی کا حوالہ:

اسی طرح صاحب احسن الفتاوی نے اولا چار ماہ کو بنیاد قرار دے کر ایک مسئلہ کا جواب لکھا پھر بعض حضرات کی طرف سے اشکال موصول ہونے پر رجوع فرما کر ظہور عضو ہی کو مدار حکم قرار دیا پوری تفصیل درج ذیل ہے:

سوال: اسقاط کی صورت میں حمل کتنی مدت کا ہو تو اس کے بعد والا خون نفاس شمار ہوگا؟ اس بارے میں عبارات فقہ مضطرب ہیں، سب عبارات پر نظر فرما کر تشفی بخش جواب سے نوازیں۔ بینوا توجروا۔

جواب: اس پر اتفاق ہے کہ چار ماہ مکمل ہونے کے بعد اسقاط ہو تو اس کے بعد آنے والا خون نفاس ہے، چار ماہ پورے ہونے سے قبل اسقاط ہو تو یہ خون نفاس نہیں، بلکہ کم از کم تین روز جاری رہے تو حیض ہے ورنہ استحاضہ۔ اصل مدار حکم یہی چار ماہ کی مدت ہے، آگے اضطراب اقوال اس میں ہے کہ چار ماہ میں استبانہ خلق سے کسی عضو کا ظہور مراد ہے یا نفخ روح؟

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالی کا خیال یہ ہے کہ اس مدت سے قبل بھی بعض اعضاء کے ظہور کا مشاہدہ ہے، اس لیے یہاں استبانہ خلق سے نفخ روح مراد ہے، جو چار ماہ مکمل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ولا يستبين خلقه إلا في مائة وعشرين يوما كذا ذكره الشارح الزيلعي في باب ثبوت النسب، والمراد نفخ الروح وإلا فالمشاهد ظهور خلقته قبلها. (البحر الرائق: ۲۱۸/۱)

اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ نے ردالمحتار اور حاشیہ منحۃ الخالق میں رد فرمایا ہے اور ائمہ فقہ کی نصوص سے ثابت فرمایا ہے کہ استبانہ خلق سے ظہور بعض اعضاء مراد

ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

(قوله ولا يستبين خلقه الخ) قال في البحر المراد نفخ الروح وإلا فالمشاهد ظهور خلقه قبلها اهـ وكون المراد به ما ذكر ممنوع، وقد وجهه في البدائع وغيرها بأنه يكون أربعين يوما نطفة وأربعين علقة وأربعين مضغة، وعبارته في عقد الفرائد: قالوا: يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو، وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوما، وإنما أباحوا ذلك لانه ليس بادمي اهـ كذا في النهر. قول. لكن يشكل على ذلك قول البحر: إن المشاهد ظهور خلقه قبل هذه المدة. (رد المحتار: ٢٠١/١)

مگر علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ نے علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ علیہ کے اشکال یعنی چار ماہ سے قبل مشاہدۂ بعض اعضاء کا کوئی جواب نہیں دیا۔ علامہ رافعی رحمہ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ میں استبانۂ تامہ مراد ہے اور چار ماہ سے قبل استبانہ کی ابتداء ہوتی ہے، استبانہ تامہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

(قوله لكن يشكل على ذلك قول البحر الخ) ويمكن أن يقال إن مراد الفقهاء إنما هو تمام استبانة الخلق، ولا ينافي هذا أن مبدأ الاستبانة يكون في أقل من ذلك، وعلى هذا يكون لفظ الخلق المضاف للضمير مفردا مضافا فيعم تأمل. والله سبحانه تعالى أعلم (التحرير المختار: ٣٩/١)

٧ جمادی الاولی ١٤٠٥ھ

حاشیہ از مرتب احسن الفتاویٰ:

دم بعد الاسقاط کے متعلق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تعالی کی درج بالا رائے احسن الفتاوی ۲ / ۱۷ میں بھی ہے جس میں نفاس ہونے یا نہ ہونے کا مدار چار ماہ کی مدت کو قرار دیا گیا ہے اور اس کی بنیاد کتب فقہ کی وہ عبارات ہیں جن میں چار ماہ سے پہلے استبانہ تام کی نفی ہے۔

مگر اس مسئلہ پر بعض حضرات کا اشکال موصول ہوا کہ چار ماہ سے قبل استبانۂ خلق کی نفی صحیح نہیں جیسا کہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ چار ماہ سے پہلے بھی استبانۂ خلق کا مشاہدہ ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو صحیح بخاری کی ایک روایت اور اطباء کے قول کے مطابق کہا ہے اور دور حاضر کے اطباء نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، نیز حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ نے امداد الفتاوی (۱/ ۴۵) میں نفاس کا مدار چار ماہ کی مدت کی بجائے استبانۂ خلق کو قرار دیا ہے اور یہ بات تقریبا تمام کتب فقہ میں مذکور ہے اس لیے دار الافتاء والا رشاد سے امداد الفتاوی کے مطابق درج ذیل فتوی جاری ہوا: مسئلہ واقعی اسی طرح ہے جس طرح امداد الفتاوی میں مذکور ہے، احسن الفتاوی میں تسامح واقع ہوا ہے، وجہ تسامح غالباً درمختار کی مذکورہ عبارت ہے۔

قال الحصكفي رحمته الله عليه وسقط ظهر بعض خلقه كيد أو رجل أو إصبع أو ظفر أو شعر، ولا يستبين خلقه إلا يعلم مأة وعشرين يوما. (رد المختار: ۳۰۲/۱)

لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات درست نہیں، بلکہ اعضاء کی خلقت حمل ٹھہرنے کے ۸۱ دن بعد شروع ہو جاتی ہے۔ البتہ نفخ روح چار مہینے کے بعد یعنی

۱۲۰ دن گزرنے پر ہوتا ہے، نفاس اور انقضائے عدت کا مدار بعض اعضاء کے ظہور پر ہے نہ کہ نفخ روح پر۔

قال ابن عابدين رحمة الله عليه: ثم ذكر بعضهم أنه اتفق العلماء على أن نفخ الروح لا يكون الا بعد أربعة أشهر، أي عقبها كما صرح به جماعة ..... ولا ينافي ذلك ظهور الخلق قبل ذلك، لأن نفخ الروح إنما يكون بعد الخلق. (رد المختار: ۳۰۲/۱)

قال في الهندية: والسقط إن ظهر بعض خلقه من إصبع أو ظفر أو شعر ولد فتصير به نفساء، وهكذا في التبيين. (الهندية: ٤٢/١، وكذا في فتح القدير: ١٨٩/١، والمحيط البرهاني: ٤٨٠/١، والكنز: ٣٧٩/١، والاختبار لتعليل المختار: ٣١/١، والبدائع: (١٦١/١)

وقال الأفندي: والسقط إن ظهر بعضه فهو ولد تصير به أمه نفساء والأمة أم الولد، ويقع به الطلاق المعلق بالولادة، وتنقضى به العدة؛ لأنه ولد لكنه ناقص الخلق، ونقصان الخلقة لا يمنع أحكام الولادة، وفي قول صاحب التبيين ولا يستبين خلقه إلا في مأة وعشرين يوما. نظره تأمل. (مجمع الأنهر: ٥٦/١۔ دفتر فتاوى: ١٠٩ ص ١٤٦)

خلاصہ:

یہ ہے کہ اصل مدار حکم ظہور بعض اعضاء ہے۔ لہٰذا جن صورتوں میں یقین، غلبہ ظن، معتبر رپورٹ یا ماہر طبیب کی تشخیص سے بعض عضو کا ظہور ہو گیا ہو تو اب اسقاط جائز نہیں ہوگا، چاہے ابھی ایک سو بیس دن سے کم ہو کیوں کہ ایک سو بیس دن اصل معیار نہیں ہے۔

مراجع ومصادر

۱۔تفسیر قرطبی: امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (وفات:۶۷۱ھ)
۲۔تفسیر طبری: امام محمد بن جریر الطبری (وفات:۳۱۰ھ)

۳۔صحیح مسلم: امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری (وفات:۲۶۱ھ)
۴۔سنن ترمذی: امام ابوعیسیٰ الترمذی (وفات:۲۷۵ھ)
۵۔سنن ابوداؤد: امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی (وفات:۲۷۵ھ)
۶۔سنن ابن ماجہ: امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی (وفات:۲۷۳ھ)
۷۔مسند احمد: امام احمد بن حنبل (وفات:۲۶۱ھ)

۸۔فتح الباری: علامہ ابن حجر العسقلانی (وفات:۸۵۲ھ)
۹۔عمدۃ القاری: علامہ بدرالدین العینی (وفات:۸۵۵ھ)
۱۰۔شرح النووی: امام یحییٰ بن شرف النووی (وفات:۶۷۶ھ)
۱۱۔تکملہ فتح الملہم: مفتی محمد تقی عثمانی

۱۲۔شرح معانی الآثار: امام ابوجعفر الطحاوی (وفات:۳۲۱ھ)
۱۳۔مختصر اختلاف العلماء: امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص (وفات:۳۷۰ھ)
۱۴۔شرح مختصر الطحاوی: امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص (وفات:۳۷۰ھ)
۱۵۔المحیط البرہانی: امام ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز مازہ (وفات:۶۱۶ھ)

۱۶۔بدائع الصنائع: امام ابوبکر مسعود الکاسانی (وفات:۵۸۷ھ)
۱۷۔فتح القدیر: امام کمال الدین ابن ہمام (وفات:۸۶۱ھ)

۱۸۔المبسوط: امام شمس الدین السرخسی (وفات:۴۹۰ھ)
۱۹۔الموافقات: امام ابواسحاق الشاطبی (وفات:۷۹۰ھ)
۲۰۔بدایۃ المجتہد: امام ابن رشد (وفات:۵۹۵ھ)
۲۱۔الاختیار لتعلیل المختار: امام عبداللہ بن محمود الموصلی (وفات:۶۸۳ھ)
۲۲۔جامع العلوم والحکم: امام ابن رجب الحنبلی (وفات:۷۹۵ھ)
۲۳۔الاجماع: امام ابن المنذر (وفات:۳۱۸ھ)

۲۴۔کتاب الأصل: امام محمد بن حسن الشیبانی (وفات:۱۸۷ھ)
۲۵۔کتاب الآثار: امام محمد بن حسن الشیبانی (وفات:۱۸۷ھ)
۲۶۔الجامع الکبیر: امام محمد بن حسن الشیبانی (وفات:۱۸۷ھ)

۲۷۔المنظومۃ الوہبانیۃ: امام عبدالوہاب الدمشقی (وفات:۷۴۸ھ)
۲۸۔امداد الفتاوی: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (وفات:۱۳۶۲ھ)
۲۹۔تتمہ احسن الفتاوی: مفتی رشید احمد لدھیانوی (وفات:۱۴۲۲ھ)
۳۰۔فتاویٰ صدر الشہید: علامہ صدر الدین (وفات:۶۵۶ھ)
۳۱۔فتاویٰ تاتارخانیہ: امام ابن علاء الدین
۳۲۔فتاویٰ النوازل: امام علاء الدین السمرقندی (وفات:۵۳۹ھ)
۳۳۔القانون فی الطب: ابن سینا (وفات:۱۰۲۰ھ)
۳۴۔سہ ماہی مجلہ تحقیقات اسلامی